بانگِ درا
حصہ اول
www.pdfbooksfree.pk
اقبالؒ

بانگِ درا

حصہ اول

1905ء سے ــــــــــ

فہرست

حصہ اوّل

(۱۹۰۵ء تک)

غزلیات

حصہ دوم
(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

غزلیات

دیباچہ

شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لاء سابق مدیر ''مخزن''

کسے خبر تھی کہ غالبؔ مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اُردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالبؔ کا بے نظیر تخیل اور نرالا اندازِ بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادبِ اُردو کے فروغ کا باعث ہوں گے؛ مگر زبانِ اُردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبالؔ سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سِکّہ ہندوستان بھر کی اُردو داں دُنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔

غالبؔ اور اقبالؔ میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کو اُردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا، اُس نے اُن کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے؛ اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں، دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا۔

جب شیخ محمد اقبال کے والد بزرگوار اور ان کی پیاری ماں ان کا نام تجویز کر رہے ہوں گے تو قبولِ دُعا کا وقت ہوگا کہ اُن کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور اُن کا اقبال مند بیٹا ہندوستان میں تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا، وہاں کیمبرج میں کامیابی سے وقت ختم کر کے جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کر کے

واپس آیا۔ شیخ محمد اقبال نے یورپ کے قیام کے زمانے میں بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعے کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہنا چاہیے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکارِ انگریزی کو، جس کے پاس مشرقی زبانوں اور علوم کی نسبت براہِ راست اطلاع کے ذرائع کافی نہیں، جب ایک عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی شاعری نے عالم گیر شہرت پیدا کر لی ہے تو اُس نے بھی از راہِ قدر دانی سَر کا ممتاز خطاب انہیں عطا کیا۔ اب وہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے نام سے مشہور ہیں لیکن ان کا نام جس میں یہ لطفِ خداداد ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلّص کا تخلّص، ان کی ڈاکٹری اور سَری سے زیادہ مشہور اور مقبول ہے۔

سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سیّد میر حسن[1] صاحب علومِ مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انھیں گورنمنٹ سے خطاب شمس العلما بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے، اُس کی طبیعت میں اُس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں۔ اقبالؔ کو بھی اپنی ابتدائے عمر میں مولوی سیّد میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علمِ ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی۔ سونے پر سُہاگا ہو گیا۔ ابھی اسکول ہی میں پڑھتے تھے کہ کلامِ موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اُردو کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہر شہر میں زباں دانی اور شعر و شاعری کا چرچا کم و بیش موجود تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے اقبالؔ نے کبھی کبھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ شعرائے اُردو میں اُن دنوں نواب مرزا خاں صاحب داغؔ دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظامِ دکن کے استاد ہونے سے اُن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ لوگ، جو اُن کے

---

[1] ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت کا وصال ہو گیا ہے۔

پاس جا نہیں سکتے تھے، خط و کتابت کے ذریعے دُور ہی سے اُن سے شاگردی کی نسبت پیدا کرتے تھے۔غزلیں ڈاک میں اُن کے پاس جاتی تھیں اور وہ اصلاح کے بعد واپس بھیجتے تھے۔پچھلے زمانے میں جب ڈاک کا یہ انتظام نہ تھا، کسی شاعر کو اتنے شاگرد کیسے میسّر آسکتے تھے۔اب اس سہولت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ سیکڑوں آدمی اُن سے غائبانہ تلمّذ رکھتے تھے اور انھیں اس کام کے لیے ایک عملہ اور محکمہ رکھنا پڑتا تھا۔شیخ محمد اقبال نے بھی اُنھیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لیے بھیجیں۔اس طرح اقبالؔ کو اُردو زباں دانی کے لیے بھی ایسے استاد سے نسبت پیدا ہوئی جو اپنے وقت میں زبان کی خوبی کے لحاظ سے فنِ غزل میں یکتا سمجھا جاتا تھا۔گو اس ابتدائی غزل گوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعد ازاں کلامِ اقبالؔ نے شہرت پائی، مگر جنابِ داغؔ پہچان گئے کہ پنجاب کے ایک دور اُفتادہ ضلع کا یہ طالب علم کوئی معمولی غزل گو نہیں۔اُنھوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے، اور یہ سلسلہ تلمّذ کا بہت دیر قائم نہیں رہا۔البتہ اس کی یاد دونوں طرف رہ گئی۔داغؔ کا نام اُردو شاعری میں ایسا پایہ رکھتا ہے کہ اقبالؔ کے دل میں داغؔ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی قدر ہے اور اقبالؔ نے داغؔ کی زندگی ہی میں قبولِ عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغؔ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبالؔ بھی اُن لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی اُنھوں نے اصلاح کی۔مجھے خود دکن میں اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات اُن کی زبان سے سنے۔

سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم تھی۔بی اے کے لیے شیخ محمد اقبالؔ کو لاہور آنا پڑا۔اُنھیں علمِ فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور اُنھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت شفیق استاد ملا جس نے فلسفے کے ساتھ اُن کی مناسبت دیکھ کر اُنھیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔پروفیسر آرنلڈ صاحب، جو اب سر ٹامس آرنلڈ ہو گئے ہیں اور انگلستان میں مقیم ہیں، غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔قوتِ تحریر اُن کی بہت اچھی ہے اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریقِ جدید سے خوب واقف ہیں۔اُنھوں نے چاہا کہ اپنے

شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرزِ عمل سے حصہ دیں، اور وہ اس ارادے میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ پہلے اُنھوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاقِ علمی کے پُختہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی، اب اُنھیں یہاں ایک اور جوہرِ قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو اُن کے دل میں پیدا ہوئی۔ اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی، وہ آخرش شاگرد کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا، اور آج تک قائم ہے۔ آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں میرے لیے بھی باعثِ شہرت افزائی ہوا اور اقبالؔ معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سیّد میر حسن نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں داغؔ کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا، اُس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے۔

اقبالؔ کو اپنی علمی منازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علما سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی قابلِ ذکر ہیں۔ پروفیسر نکلسن تو ہمارے شکریے کے خاص طور پر مستحق ہیں کیونکہ اُنھوں نے اقبالؔ کی مشہور فارسی نظم "اسرارِ خودی" کا انگریزی ترجمہ کر کے اور اُس پر دیباچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبالؔ سے رُوشناس کیا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں جتنے نامور اُس زمانے میں موجود تھے مثلاً مولانا شبلیؔ مرحوم، مولانا حالیؔ مرحوم، اکبرؔ مرحوم، سب سے اقبالؔ کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور اُن کے اثرات اقبالؔ کے کلام پر اور اقبالؔ کا اثر اُن کی طبائع پر پڑتا رہا۔ مولانا شبلیؔ نے بہت سے خطوط میں اور حضرتِ اکبرؔ نے نہ صرف خطوں میں بلکہ بہت سے اشعار میں اقبالؔ کے کمال کا اعتراف کیا ہے، اور اقبالؔ نے اپنی نظم میں ان باکمالوں کی جابجا تعریف کی ہے۔

ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبالؔ کا اُردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال پہلے میں نے اُنھیں پہلی مرتبہ لاہور

کے ایک مشاعرے میں دیکھا۔ اس بزم میں ان کو ان کے چند ہم جماعت کھینچ کر لے آئے اور انہوں نے کہہ سُن کر ایک غزل بھی پڑھوائی۔ اس وقت تک لاہور میں لوگ اقبالؔ سے واقف نہ تھے۔ چھوٹی سی غزل تھی۔ سادہ سے الفاظ۔ زمین بھی مشکل نہ تھی۔ مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا۔ بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ پھر اسی مشاعرے میں انھوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک ہونہار شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض ایسے لوگوں تک محدود رہی جو تعلیمی مشاغل سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے اور نظم و نثر کے مضامین کی اس میں مانگ ہوئی۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہِ ہمالہ سے خطاب ہے، پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاقِ زمانہ اور ضرورتِ وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے، مگر شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، اُسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اُس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادبِ اُردو کی ترقی کے لیے رسالہ 'مخزن' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں شیخ محمد اقبال سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے حصۂ نظم کے لیے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی۔ انھوں نے کہا "ابھی کوئی نظم تیار نہیں" میں نے کہا 'ہمالہ' والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی اور لکھیے۔ انھوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیونکہ انہیں یہ خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں، مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور 'مخزن' کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل ۱۹۰۱ء میں نکلا، شائع کر دی۔ یہاں سے گویا اقبالؔ

کی اُردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا اور ۱۹۰۵ء تک، جب وہ ولایت گئے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں وہ عموماً 'مخزن' کے ہر نمبر کے لیے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں اور انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ اُن کے سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام سے محظوظ کریں۔ شیخ صاحب اُس وقت طالب علمی سے فارغ ہو کر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے اور دن رات علمی صحبتوں اور مشاغل میں بسر کرتے تھے۔ طبیعت زوروں پر تھی، شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار شعر ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے، پنسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دُھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اُس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکرِ سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبلتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت رقّت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی۔ اپنے اشعار سُریلی آواز میں ترنّم سے پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، اگر وہ ایک مسلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دُوسرے وقت اور دُوسرے دن اُسی ترتیب سے حافظے میں محفوظ ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے، اور درمیان میں خود وہ انھیں قلمبند بھی نہیں کرتے۔ مجھے بہت سے شعرا کی ہم نشینی کا موقع ملا ہے اور بعض کو میں نے شعر کہتے بھی دیکھا اور سُنا ہے، مگر یہ رنگ کسی اور میں نہیں دیکھا۔ اقبالؔ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بایں ہمہ موزونیِ طبع وہ حسبِ فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے۔ جب طبیعت خود مائلِ نظم ہو تو جتنے شعر چاہے کہہ دے مگر یہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسبِ فرمائش وہ کچھ لکھ سکے، یہ قریب قریب ناممکن ہے۔ اسی لیے جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انھیں اکثر فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے

رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایتِ اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبالؔ نے اپنی نظم سنائی جو خاص اُسی جلسے کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔

اوّل اوّل جو نظمیں جلسۂ عام میں پڑھی جاتی تھیں، تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں، اور اس طرز میں بھی ایک لطف تھا۔ مگر بعض دوستوں نے ایک مرتبہ جلسۂ عام میں شیخ محمد اقبالؔ سے بہ اصرار کہا کہ وہ نظم ترنّم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتاً بلند اور خوش آہنگ ہے۔ طرزِ ترنّم سے بھی خاصے واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھا گیا اور لوگ جھومنے لگے۔ اس کے دو نتیجے ہوئے۔ ایک تو یہ کہ ان کے لیے تحت اللفظ پڑھنا مشکل ہوگیا، جب کبھی پڑھیں لوگ اصرار کرتے ہیں کہ لے سے پڑھا جائے، اور دوسرا یہ کہ پہلے تو خواص ہی ان کے کلام کے قدر دان تھے اور اُس کو سمجھ سکتے تھے، اس کشش کے سبب عوام بھی کھنچ آئے۔ لاہور میں جلسۂ حمایتِ اسلام میں جب اقبالؔ کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے، لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں۔ جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبالؔ کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انھوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انھیں شاعری کے لیے نسبتہً کم وقت ملا اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں تھوڑی ہے مگر ان میں ایک خاص رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اُس زمانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور اکثر ملاقات کے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمّم ہوگیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے، اُسے کسی اور مفید کام میں صَرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے جسے ترک کرنا چاہیے بلکہ ان کے کلام میں

وہ تاثیر ہے جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے امراض کا علاج ہو سکے، اس لیے ایسی مفید خدا داد طاقت کو بیکار کرنا درست نہ ہوگا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے، کچھ نہ ہوئے اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادۂ ترکِ شعر کو بدل دیں اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترکِ شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہُوا کہ اقبالؔ کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں، وہ ان کے لیے بھی مفید ہے اور ان کے ملک وقوم کے لیے بھی مفید ہے۔ ایک تغیر جو ہمارے شاعر کی طبیعت میں آیا تھا، اس کا تو یوں خاتمہ ہوا مگر دوسرا تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا یعنی اقبالؔ کی شاعری نے فارسی زبان کو اُردو زبان کی جگہ اپنا ذریعۂ اظہارِ خیال بنالیا۔

فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبالؔ کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی، اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب حالاتِ تصوف کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی، اُس کو بھی ضرور اس تغیرِ مذاق میں دخل ہوگا۔ اس کے علاوہ جوں جوں اُن کا مطالعہ علمِ فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اُردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اُردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہوگئے۔ مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعے سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل

میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آ کر، بستر پر لیٹے ہوئے، باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اُٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد ولایت سے واپس آنے پر گو کبھی کبھی اُردو کی نظمیں بھی کہتے تھے مگر طبیعت کا رُخ فارسی کی طرف ہو گیا۔ یہ ان کی شاعری کا تیسرا دَور ہے جو ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوا اور جو اب تک چل رہا ہے۔ اس عرصے میں اُردو نظمیں بھی بہت سی ہوئیں اور اچھی اچھی، جن کی دُھوم مچ گئی۔ مگر اصل کام جس کی طرف وہ متوجہ ہو گئے، وہ ان کی فارسی مثنوی 'اَسرارِ خودی' تھی۔ اس کا خیال دیر تک ان کے دماغ میں رہا اور رفتہ رفتہ دماغ سے صفحۂ قرطاس پر اُترنے لگا، اور آخر ایک مستقل کتاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے اقبالؔ کا نام ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہو گیا۔

فارسی میں اقبالؔ کے قلم سے تین کتابیں اس وقت تک نکلی ہیں: 'اَسرارِ خودی'، 'رموزِ بےخودی' اور 'پیامِ مشرق'۔ ایک سے ایک بہتر! پہلی کتاب سے دُوسری میں زبان زیادہ سادہ اور عام فہم ہو گئی ہے اور تیسری دُوسری سے زیادہ سلیس ہے۔ جو لوگ اقبالؔ کے اُردو کلام کے دلدادہ ہیں، وہ فارسی نظموں کو دیکھ کر مایوس ہوئے ہوں گے۔ مگر انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ فارسی نے وہ کام کیا جو اُردو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام اسلامی دنیا میں جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے، اقبالؔ کا کلام اس ذریعے سے پہنچ گیا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کی ایسی وسیع اشاعت ضروری تھی، اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والوں کو ہمارے ایسے قابلِ قدر مصنف کا حال معلوم ہوا۔ 'پیامِ مشرق' میں ہمارے مصنف نے یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر گوئٹے کے 'سلامِ مغرب' کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عُقدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے

تھے۔ مدّت سے بعض رسائل اور اخبارات میں ڈاکٹر محمد اقبال کو 'ترجمانِ حقیقت' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں، اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لیے پہلے وضع کیا ہے، اُس نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔

فارسی گوئی کا ایک اثر اقبالؔ کے اُردو کلام پر یہ ہوا ہے کہ جو نظمیں اُردو میں دورِ سوم میں لکھی گئی ہیں، اُن میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے بھی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ہے۔ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشہبِ قلم جو فارسی کے میدان میں گامزن ہے، اُس کی باگ کسی قدر تکلف کے ساتھ اُردو کی طرف موڑی جارہی ہے۔

اقبالؔ کا اُردو کلام جو وقتاً فوقتاً ۱۹۰۱ء سے لے کر آج تک رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوا اور انجمنوں میں پڑھا گیا، اُس کے مجموعے کی اشاعت کے بہت لوگ خواہاں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے احباب بار ہا تقاضا کرتے تھے کہ اُردو کلام کا مجموعہ شائع کیا جائے مگر کئی وجوہات سے آج تک مجموعۂ اُردو شائع نہیں ہوسکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر اب شائقینِ کلامِ اُردو کی یہ دیرینہ آرزو بَر آئی اور اقبالؔ کی اُردو نظموں کا مجموعہ شائع ہوتا ہے جو دوسو بانوے صفحوں پر مشتمل ہے اور تین حصوں پر منقسم ہے...... حصۂ اوّل میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں، حصۂ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کی اور حصۂ سوم میں ۱۹۰۸ء سے لے کر آج تک کا اُردو کلام ہے۔ یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطالب و معانی یکجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو، ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اُس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر سا مضمون جو بطور دیباچہ لکھا گیا ہے، اس میں مختلف نظموں کی تنقید یا مختلف اوقات کی نظموں کے

باہم مقابلے کی گنجائش نہیں، اس کے لیے اگر ہوسکا تو میں کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ سرِ دست میں صاحبانِ ذوق کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اُردو کلّیاتِ اقبالؔ اُن کے سامنے رسالوں اور گلدستوں کے اوراقِ پریشاں سے نکل کر ایک مجموعۂ دل پذیر کی شکل میں جلوہ گر ہے، اور اُمید ہے کہ جو لوگ مدّت سے اس کلام کو یکجا دیکھنے کے مشتاق تھے، وہ اس مجموعے کو شوق کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور دل سے اس کی قدر کریں گے۔

آخر میں اُردو شاعری کی طرف سے میں یہ درخواست قابل مصنّف سے کرتا ہوں کہ وہ اپنے دل و دماغ سے اُردو کو وہ حصہ دیں جس کی وہ مستحق اور محتاج ہے۔ خود انھوں نے غالبؔ کی تعریف میں چند بند لکھے ہیں جن میں ایک شعر میں اُردو کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے ۔

گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دلسوزیِ پروانہ ہے

ہم ان کا یہ شعر پڑھ کر ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس احساس نے یہ شعر ان سے نکلوایا تھا، اُس سے کام لے کر اب وہ پھر کچھ عرصے کے لیے گیسوئے اُردو کے سنوارنے کی طرف متوجہ ہوں اور ہمیں موقع دیں کہ ہم اس مجموعۂ اُردو کو جو اس قدر دیر کے بعد چھپا ہے، ایک دوسرے کلّیاتِ اُردو کا پیش خیمہ سمجھیں۔

حصہ اوّل

(....... ۱۹۰۵ء تک)

فرہنگ

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلّی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو، دیوارِ ہندُستاں ہے تو
مطلعِ اوّل فلک جس کا ہو وہ دِیواں ہے تو
سُوئے خَلوَت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سَر

خندہ زن ہے جو کُلاہِ مہرِ عالم تاب پر

تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کُہن

وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن

چوٹیاں تیری ثریّا سے ہیں سرگرمِ سخن

تُو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن

چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیّال ہے

دامنِ موجِ ہَوا جس کے لیے رُومال ہے

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے

تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کُہسار نے

اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تُو بھی، جسے

دستِ قُدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرطِ طرَب میں جُھومتا جاتا ہے ابر

فیلِ بے زنجیر کی صورت اُڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی

جُھومتی ہے نشّۂ ہستی میں ہر گُل کی کلی

یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی

دستِ گُل چیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

کُنجِ خلوت خانۂ قُدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے ندّی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئنہ سا شاہدِ قُدرت کو دِکھلاتی ہوئی
سنگِ رَہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو

لیلیِ شب کھولتی ہے آ کے جب زُلفِ رسا
دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلّم ہو فِدا
وہ درختوں پر تفکّر کا سماں چھایا ہُوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کُہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رُخسار پر

اے ہمالہ! داستاں اُس وقت کی کوئی سُنا
مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلّف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تُو

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

ہمالہ: برصغیر پاک و ہند کا مشہور پہاڑ، ہمالیہ، پنجاب اور صوبہ سرحد کے شمال میں اور ریاست کشمیر میں جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف اس کے کئی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ فصیل: شہر کی چار دیواری۔ کشور: ملک۔ پیدا: ظاہر۔ دیرینہ روزی: بہت پرانے زمانے کا ہونا۔ جواں ہے: مراد حالت جوں کی توں ہے۔ گردشِ شام و سحر: یعنی وقت کا چکر/ گزرنے کا عمل۔ کلیم: مراد حضرت موسیٰ۔ طورِ سینا: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا۔ سراپا: پورے طور پر۔ چشمِ بینا: مراد بصیرت والی آنکھ۔ دیدہ: آنکھ۔ ظاہر بیں: صرف اوپر اوپر دیکھنے والی۔ کوہستان: پہاڑ۔ پاسباں: حفاظت کرنے والا، چوکیدار۔ دیوار: مراد رکاوٹ جو دشمن سے حفاظت کی نشانی ہے۔ مطلعِ اوّل: غزل کا پہلا شعر۔ سوئے خلوت گاہ: تنہائی کی جگہ کی طرف۔ دامن کش: مراد اپنی طرف توجہ دلانے والا۔ دستارِ فضیلت: بڑائی/ عظمت کی پگڑی۔ خندہ زن ہے: مراد مذاق اُڑا رہا ہے۔ مہر: سورج۔ عالم تاب: دنیا کو روشن کرنے والا۔ عمرِ رفتہ: گزری ہوئی عمر/ زندگی۔ عہدِ کہن: پرانا/ قدیم زمانہ۔ خیمہ زن: خیمہ لگائے ہوئے/ پڑاؤ ڈالے ہوئے۔ ثریا: وہ ستارے جو آسمان پر گچھے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ سخن: بات/ باتیں۔ پہنائے فلک: آسمان کا پھیلاؤ/ وسعت۔ چشمۂ دامن: وادی میں بہنے والا چشمہ۔ آئینۂ سیال: چلتا/ بہتا ہوا آئینہ (شفاف پانی)۔ دامن: پلو۔ موجِ ہوا: ہوا کی لہر۔ ابر: بادل۔ رہوارِ ہوا: ہوا کا گھوڑا۔ برق: بجلی۔ برِ کوہسار: پہاڑ کے اوپر (والی)۔ بازی گاہ: کھیل کا میدان۔ دست: ہاتھ۔ ہائے: اس میں حیرانی کا اظہار ہے۔ فرطِ طرب: بے حد خوشی۔ فیل: ہاتھی۔ بے زنجیر: جسے زنجیر نہ ڈالی گئی ہو، کھلا۔ جنبش: ہلنے کی حالت۔ موجِ نسیمِ صبح: صبح کی ہوا کی لہر۔ گہوارہ: جھولا جس میں بچوں کو سُلاتے ہیں۔ جھومنا: خوشی یا مستی کی حالت میں سر اور ہاتھوں کو ہلانا۔ نشۂ ہستی: زندگی کی مستی۔ برگ: پتا، پتی۔ گویا: بولنے والی۔ دستِ گل چیں: پھول توڑنے والے کا ہاتھ۔ جھٹک: ہاتھ مارنے کی حالت۔ کنج: کونہ۔ کاشانہ: ٹھکانا۔ فرازِ کوہ: پہاڑ کی چوٹی۔ کوثر و تسنیم: بہشت کی دو ندیوں کا نام۔ شاہدِ قدرت: قدرت کا محبوب مراد قدرت۔ سنگِ راہ: راستے کا پتھر۔ گاہ: کبھی۔ عراقِ دل نشیں: مراد دل میں اثر پیدا کرنے والا راگ۔ چھیڑنا: بجانا۔ لیلیٔ شب: رات کی لیلیٰ۔ زلفِ رسا: لمبی اور گھنی زلفیں، مراد رات کی تاریکی۔ دامنِ دل کھینچنا: دل کو خوب لبھانے کی حالت۔ تکلم: گفتگو، بولنا۔ تفکر: سوچ میں ڈوبے ہونے کی حالت۔ شفق: صبح اور شام کی سرخی، عموماً شام کی سرخی مراد ہوتی ہے۔ غازہ: سرخی۔ رخسار: گال۔ مسکن: رہنے کی جگہ۔ آبائے انساں: انسان کے باپ دادا۔ رنگِ تکلف: بناوٹ کا رنگ۔ تصور: کسی چیز کی صورت کا ذہن میں آنا۔ گردشِ ایام: زمانے/ دن رات کا چکر۔

گُلِ رنگیں

تُو شناسائے خراشِ عُقدۂ مشکل نہیں
اے گُلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیبِ محفل ہے، شریکِ شورشِ محفل نہیں
یہ فراغت بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چمن میں مَیں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور تیری زندگانی بے گُدازِ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مِرا آئیں نہیں
یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ! یہ دستِ جفا جُو اے گُلِ رنگیں نہیں
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گُل چیں نہیں

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے اُلجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بُلبل سے میں کرتا ہوں نظّارہ ترا

سَو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے

میری صورت تُو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے
میں چمن سے دُور ہوں، تُو بھی چمن سے دُور ہے

مطمئن ہے تُو، پریشاں مثلِ بُو رہتا ہوں میں
زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جُستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو

ناتوانی ہی مری سرمایۂ قُوّت نہ ہو
رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

یہ تلاشِ مُتّصل شمعِ جہاں افروز ہے
تَوسنِ اِدراکِ انساں کو خرام آموز ہے

گُلِ رنگیں: رنگدار پھول۔ عُقدۂ مشکل: مشکل کی گرہ۔ زیبِ محفل: بزم کو سجانے والا۔ شورش: رونق، ہنگامہ۔ ہستی: زندگی۔ سراپا: سر سے پاؤں تک۔ سوز و سازِ آرزو: مراد عشق کی تپش اور اس کی لذت۔ بے گدازِ آرزو: مراد آرزو کی لذت سے خالی۔ نظر: مراد نقطۂ نگاہ۔ چشمِ صورت بیں: ظاہر کو دیکھنے والی آنکھ۔ غیر: سوائے۔ دستِ جفا جو: سختی کرنے یعنی توڑنے والا ہاتھ۔ گُل چیں: پھول توڑنے والا۔ کیا کام: کیا واسطہ/ تعلق۔ دیدۂ حکمت: فلسفیانہ سوچ کی نگاہ۔ اُلجھیڑا: بکھیڑا، جھگڑا۔ سَو زبان: بہت سی پتیوں کو سَو زبانیں کہا۔ مستور: چُھپا ہوا۔ میری صورت: میری طرح۔ برگ: پھول کی پتّی۔ ریاضِ طُور: طور کا باغ (جہاں موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا)۔ شمشیر: تلوار۔ ذوقِ جستجو: تلاش، مراد محبوبِ حقیقی کے حسن کو قدرتی نظاروں میں تلاش کرنے کی لذت۔ سامانِ جمعیت: اطمینان اور سکون کا سبب۔ جگر سوزی: دل کو جلانے کا عمل جو عشق کے سبب ہے۔ خانۂ

حکمت: مراد فلسفیانہ سوچوں کا گھر۔ رشک: کسی کی خوبی دیکھ کر خود میں اس خوبی کی خواہش کرنا۔ جامِ جم: روایت ہے کہ ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں سے دنیا نظر آتی تھی۔ آئینۂ حیرت: مراد حیرانی میں ڈوب جانے کی حالت۔ تلاشِ متصل: لگاتار یا مسلسل جستجو۔ توسن: گھوڑا۔

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمین و آسماں میرے لیے
وسعتِ آغوشِ مادر اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جاں میرے لیے
حرفِ بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے

درد، طفلی میں اگر کوئی رُلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے

تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سُوئے قمر
وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اُس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اُس کے کوہ و صحرا کی خبر
اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر

آنکھ وقفِ دید تھی، لب مائلِ گُفتار تھا
دل نہ تھا میرا، سراپا ذوقِ اِستفسار تھا

عہدِ طفلی: بچپن کا زمانہ۔ دیارِ نو: نئے نئے ملک/شہر۔ مادر: ماں۔ جنبش: ہلنے کی حالت۔ لطفِ جاں: روح کے لیے مزے کی بات۔ شورش: شور۔ زنجیرِ در: دروازے کی کنڈی۔ پہروں تلک: بڑی دیر تک۔ سُوئے قمر: چاند کی طرف۔ پھٹا بادل: ٹکڑیوں میں بٹا ہوا بادل کہ کہیں ہو اور کہیں نہ ہو۔ آوازِ پا: پاؤں کی چاپ۔ رہ رہ کے: گھڑی گھڑی، بار بار۔ کوہ: پہاڑ۔ دروغِ مصلحت آمیز: ایسا جھوٹ جس میں کوئی بھلائی ہو۔ وقفِ دید: دیکھنے میں مصروف۔ لب: ہونٹ۔ مائلِ گفتار: بولنے پر تیار۔ ذوقِ استفسار: سوال کرتے رہنے/پوچھتے رہنے کا لطف

مرزا غالبؔ

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہُوا
ہے پرِ مرغِ تخیّل کی رسائی تا کُجا

تھا سراپا روح تُو، بزمِ سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اُس حُسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندّی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار

تیرے فردوسِ تخیّل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کِشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار

زندگی مُضمَر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطق کو سَو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریّا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدّق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دِلّی گُلِ شیراز پر

آہ! تُو اُجڑی ہوئی دِلّی میں آرامیدہ ہے
گُلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیّل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سر زمیں
آہ! اے نظّارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں

گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دِلسوزیِ پروانہ ہے

اے جہان آباد! اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرّے ذرّے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گُہر

دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

مرزا غالب: اردو، فارسی کے مشہور شاعر (۱۷۹۷ء-۱۸۶۹ء)۔فکر: سوچ/غور کرنے کی قوت۔روشن ہونا: ظاہر ہونا۔مُرغِ تخیل: فکر اور خیالات کا پرندہ۔رسائی: پہنچ۔تا کُجا: کہاں تک۔بزمِ سخن: مراد شاعری۔پیکر: جسم۔زیبِ محفل: بزم سجانے والا، محفل کی رونق۔دید: دیدار، اُس حسن: مراد محبوبِ حقیقی کا حُسن۔منظور: پیشِ نظر۔سوزِ زندگی: زندگی کی حرارت۔ہر شے میں: مراد کائنات کی ہر چیز میں۔مستور: چُھپا ہوا۔محفلِ ہستی: وجود یعنی دنیا کی بزم۔بربط: ایک قسم کا باجا، مراد شاعری۔سرمایہ دار: مال دار، مالا مال۔فردوسِ تخیل: تخیل کی جنت۔کشت: کھیتی، فصل۔عالَم: دنیا ئیں، مراد نئے نئے مضامین۔سبزہ وار: سبزے کی طرح۔مضمر: چُھپی ہوئی۔شوخیِ تحریر: مراد دل میں اثر کرنے والے شگفتہ اشعار۔تابِ گویائی: بولنے کی طاقت۔نُطق: زبان۔لبِ اعجاز: یعنی معجزہ کی سی کیفیت رکھنے والے اشعار کہنے والی زبان۔محوِ حیرت: حیرانی میں گُم۔رفعتِ پرواز: یعنی مضامین کے لحاظ سے بلندی پر اُڑنا۔شاہد: محبوب، حسین۔تصدق: قربان۔انداز: مراد شعر گوئی کا طریقہ۔خندہ زن: ہنسی/ مذاق اُڑانے والا۔غنچۂ دِلّی: دِلّی کی کلی، مراد غالب۔گُلِ شیراز: شیراز کا پھول (حافظ شیرازی، سعدی شیرازی)۔ آرامیدہ ہے: آرام کر رہا ہے/دفن ہے۔گلشنِ ویمر: جرمنی کے شہر ویمر کا باغ۔ویمر میں جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے (۱۷۴۹ء-۱۸۳۲ء) کی قبر ہے۔ہم نوا: ساتھ گانے والا، مراد گوئٹے۔خوابیدہ: سویا ہوا، یعنی دفن ہے۔لطفِ گویائی: بولنے یعنی شعر کہنے/یا شاعری کا مزہ۔ہمسری: برابری۔فکرِ کامل: سوچ بچار اور غور کرنے کی پوری پوری قوت۔نظارہ آموز: دیکھنے یعنی مشاہدہ کا ڈھنگ سکھانے والی۔نگاہِ نکتہ بیں: باریکیوں یا بھیدوں کو دیکھنے والی نگاہ۔گیسوئے اُردو: اُردو کی زلفیں، یعنی اُردو زبان۔منت پذیر: احسان مند۔شانہ: کنگھی۔شمع: مراد اُردو زبان۔سودائی: مشتاق۔دل سوزیٔ پروانہ: مراد پتنگے کی محبت۔جہان آباد: دہلی کا پرانا نام۔گہوارہ: مرکز، تربیت گاہ۔نالۂ خاموش: ایسی فریاد جس میں آواز نہ ہو۔بام و در: چھت اور دروازے۔شمس و قمر: سورج اور چاند، مراد بڑی بڑی ہستیاں۔گوہر: گوہر یعنی علم و فضل والے۔فخرِ روزگار: زمانے کے لیے فخر کا باعث۔موتی: مراد شخصیت۔آبدار: چمک دار، مراد عظمت والا۔ایسا بھی ہے؟: مراد نہیں ہے۔

ابرِ کوہسار

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا
ناقۂ شاہدِ رحمت کا حُدی خواں ہونا
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا
رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا
بن کے گیسو رُخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں

دُور سے دیدۂ اُمید کو ترساتا ہوں
کسی بستی سے جو خاموش گزر جاتا ہوں
سَیر کرتا ہُوا جس دم لبِ جو آتا ہوں
بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں

سبزۂ مزرعِ نوخیز کی اُمید ہُوں میں
زادۂ بحر ہوں، پروردۂ خورشید ہُوں میں

چشمۂ کوہ کو دی شورشِ قُلزُم میں نے
اور پرندوں کو کیا محوِ ترنّم میں نے
سر پہ سبزے کے کھڑے ہو کے کہا قُم میں نے
غنچۂ گُل کو دیا ذوقِ تبسّم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامنِ کُہسار میں دہقانوں کے

ابرِ کوہسار: پہاڑ کا بادل۔ فلک بوس: آسمان کو چومنے والا، بہت بلند۔ نشیمن: ٹھکانا، مسکن۔ گُل پاش: پھول بکھیرنے والا۔ گلزار: جہاں گلاب کے پھول زیادہ ہوں، باغ۔ بَن: جنگل۔ سبزۂ کوہ: پہاڑ پر اُگا ہوا سبزہ۔ مخمل کا بچھونا: مراد نرم آرام دہ بچھونا۔ دُر افشاں: موتی بکھیرنے والا۔ ناقہ: اونٹنی۔ شاہدِ رحمت: رحمت کا محبوب مراد رحمت۔ حُدی خواں: قافلے کے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے خاص قسم کے اشعار پڑھنے والا۔ غم زدا: دُکھ مٹانے والا۔ دلِ افسردہ: بجھا ہوا مایوس دل۔ دہقان: کسان۔ جوانانِ گلستان: مراد پھول۔ گیسو: زلفیں، سیاہ رنگ کی طرف اشارہ۔ رُخِ ہستی: زندگی/ دنیا کا چہرہ۔ موجۂ صرصر: آندھی کی لہر۔ سنور جانا: مراد سلیقے سے سمٹ جانا۔ دیدۂ اُمید: وہ آنکھیں جو بارش کی آس لگائے ہوتی ہیں۔ لبِ جو: ندی کا کنارہ۔ بالیاں: جمع بالی، کانوں کے بُندے۔ مزرع: کھیتی۔ نوخیز: نئی نئی اُگی ہوئی۔ زادۂ بحر: سمندر کی اولاد۔ پروردۂ خورشید: جسے سورج نے پالا ہو۔ شورشِ قلزم: سمندر کا سا اونچا شور۔ محوِ ترنم: مراد چہچہانے میں مصروف۔ قُم: اُٹھ کھڑا ہو۔ ذوقِ تبسم: مسکرانے یعنی کھلنے کا شوق۔ شبستانوں: جمع شبستان، رات گزارنے کی جگہیں۔ دامنِ کہسار: پہاڑ کا پہلو۔

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مری کُٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بُھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھّا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھِنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزّت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سُنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظور تمہاری مجھے خاطر تھی وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
اُڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھہرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا!
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کُٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسّر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا خیر، یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ اُمید نہ رکھنا
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اُٹھ نہیں سکتا
مکڑے نے کہا دل میں، سُنی بات جو اُس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کم بخت ہے دانا

سَو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رُتبا
ہوتی ہے اُسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سَر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اُڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سُنی جب یہ خوشامد تو پسیجی
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں بُرا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اُڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اُچھل کر اُسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے، اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اُڑایا

مکڑا: جالا بُن کر اُس میں رہنے والا کیڑا۔ کُٹیا: جھونپڑی۔ قسمت جاگنا: اچھے دن آنا۔ غیر: اجنبی/ناواقف لوگ۔ کھنچ کے رہنا: دور دور رہنا۔ منظور ہونا: پسند آنا، چاہنا۔ نادان: بے سمجھ، کم عقل۔ جال میں آنا: دھوکے میں آنا۔ نہیں اترا: مراد نہیں بچا۔ فریبی: دھوکا دینے والا۔ خاطر: تواضع، دعوت، آؤ بھگت۔ دکھانے کی چیزیں: مراد اچھی/خوبصورت چیزیں۔ باریک پردے: پتلے نازک پردے۔ میسّر ہونا: حاصل ہونا۔ اُٹھ نہیں سکتا: یعنی مارا جاتا ہے۔ پھانسنا: قابو میں لانا۔ کم بخت: بدنصیب (نفرت کے طور پر کہا)۔ دانا: عقل سمجھ والی۔ بڑی بی: عزت کے طور پر یہ کہا۔ رُتبا: رُتبہ، شان، عزت۔ کنیاں: جمع کنی، باریک سا ٹکڑا۔ کلغی: تاج۔ پوشاک: لباس۔ سجانا: خوبصورت بنانا، سجاوٹ کی چیزیں لگانا۔ پیچی: نرم پڑ گئی۔ کھٹکا: ڈر۔ دل توڑنا: مایوس کردینا۔

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

بچّوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور، کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!
کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا
یہ کچّی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تُو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اُس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اُٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے، خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تُو بڑا ہے تو مجھ سا ہُنر دِکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دِکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نِکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قُدرت کے کارخانے میں

گلہری: چوہے سے ملتا جلتا مٹیلے سفید رنگ کا جانور۔ پانی میں ڈوب مرنا: مراد شرم/غیرت سے مرجانا۔ کیا کہنا: مراد یہ کہ بہت بُری بات ہے۔ شعور: دانائی، سمجھنے کی اہلیت یا چیز: ذلیل، حقیر۔ چیز بن بیٹھنا: خود کو بڑا سمجھنا۔ خدا کی شان ہے: بہت عجیب بات ہے۔ بے شعور: ناسمجھ۔ باتمیز: تہذیب والا/والی۔ بساط: حیثیت۔ پست: نیچے یعنی ذلیل۔ آن بان: ٹھاٹھ باٹھ، شان و شوکت۔ نصیب کہاں: حاصل نہیں۔ منہ سنبھالنا: زبان کو قابو میں رکھنا۔ کچی باتیں: فضول باتیں۔ دل سے نکالنا: خیال میں نہ لانا۔ کیا پروا: کوئی فکر نہیں۔ پیدا: ظاہر۔ قدم اُٹھانا: چلنا۔ نری: خالی خولی۔ چھالیا: سپاری کی ڈلی جو کتر کر پان میں رکھتے ہیں۔ قدرت کا کارخانہ: مراد خدا کی کاریگری اور صنعت کی نشانیاں۔

ایک گائے اور بکری

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

اِک چراگہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں

کیا سماں اُس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندّیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندّی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا
پاس اک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اُسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں
گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں

کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی

جان پر آ بنی ہے، کیا کہیے
اپنی قسمت بُری ہے، کیا کہیے

دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بُروں کی جان کو میں

زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے

دُودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہُوں جو دُبلی تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کِن فریبوں سے رام کرتا ہے

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دُودھ سے جان ڈالتی ہوں میں

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے
میرے اللہ! تری دُہائی ہے

سُن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی، ایسا گِلہ نہیں اچھا

بات سچّی ہے بے مزا لگتی
میں کہوں گی مگر خدا لگتی

یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایا

ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں!

یہ مزے آدمی کے دَم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دَم سے ہیں

اس کے دَم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی کہ آزادی!

سَو طرح کا بَنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گُزران سے بچائے خدا

ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گِلا اس کا

قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گِلہ نہ کرو

گائے سُن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گِلے سے پچھتائی

دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اُس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

چراگہ: گھاس والی جگہ جہاں جانور چرتے ہیں۔ کہیں: کسی جگہ۔ سراپا: پوری طرح۔ بہار: مراد سرسبز، تازہ سماں: نظارہ۔ رواں: جاری، بہنے کی حالت۔ طائروں: جمع طائر، پرندے۔ سایہ دار: مراد بہت زیادہ پتوں والا جن کے سبب نیچے دھوپ نہیں پڑتی۔ چرتے چرتے: گھاس کھاتے کھاتے۔ آنکلنا: اتفاق سے یا اچانک آجانا۔ جھک کر: مراد ادب سے۔ سلیقہ: اچھا طریقہ۔ خیر: شکر ہے ہاں۔ بُری بھلی: جس میں پوری طرح سکون حاصل نہ ہو۔ جان پر آبننا: بہت تکلیف/عذاب میں ہونا۔ کیا کہیے: کیا بتاؤں۔ خدا کی شان دیکھنا: خدا کی بے نیازی پر سوچنا۔ بُروں کی جان کو رونا: ظالموں کو بددعائیں دینا۔ زور چلنا: بس/قابو چلنا۔ پیش آنا: سامنے آنا۔ پالا پڑنا: واسطہ ہونا۔ بڑبڑانا: چپکے چپکے بُرا بھلا کہنا۔ ہتھکنڈے: جمع ہتھکنڈا، چالاکیاں۔ غلام کرنا: قابو میں کرنا، خدمتگار بنانا۔ رام کرنا: قابو میں لانا، فرماں بردار بنانا۔ جان ڈالنا: صحتمند بنانا۔ ماجرا: قصہ/باتیں۔ بے مزہ لگنا: اچھی نہ لگنا۔ خدا لگتی کہنا: سچی، انصاف کی بات کہنا۔ چراگہ: چراگاہ، سبزہ زار۔ نصیب کہاں: حاصل نہیں ہیں۔ بے زباں: مراد جانور۔ آدمی کے دَم سے: انسان کی وجہ سے۔ لطف: مزہ، مزے۔ بھلی: اچھی طرح۔ قسم۔ بنوں: جمع بَن، جنگل۔ کھٹکا: ڈر۔ واں: وہاں، یعنی جنگل۔ گزران: وقت گزارنا۔ احسان: مہربانی۔ زیبا: اچھا۔ قدر: قیمت، اہمیت۔ پچھتائی: شرمندہ ہوئی۔ پرکھا: جانچا۔ بھلا: اچھا۔ ذات: وجود، جنس۔ دل کو لگنا: دل پر اثر کرنا/اچھا لگنا۔

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دنیا کا مرے دَم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

تمنّا: خواہش، آرزو۔ کی صورت: کی طرح۔ دَم: کوشش، جستجو۔ اُجالا: روشنی۔ زینت: خوبصورتی، نکھار۔ پروانہ: چھوٹا سا کیڑا جو روشنی حاصل کرنے کی خاطر جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ حمایت کرنا: مدد کرنا۔ درد مند: دُکھی لوگ۔

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

بچّوں کے لیے

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بُلبل تھا کوئی اُداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اُڑنے چُگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سُن کر بُلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہُوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — مَیں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دِیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچّھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

شجر: درخت۔ آشیاں: گھونسلا، آشیانہ۔ آہ و زاری: رونا پیٹنا۔ جہاں: دُنیا۔

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

میں سوئی جو اِک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اِضطراب

یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں

لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اُٹھنا محال

جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی

زُمرّد سی پوشاک پہنے ہوئے
دِیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے

وہ چُپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا اُن کو کہاں

اِسی سوچ میں تھی کہ میرا پِسر
مجھے اُس جماعت میں آیا نظر

وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دِیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا

کہا میں نے پہچان کر، میری جاں!
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں؟

جُدائی میں رہتی ہوں مَیں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار

نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!

جو بچّے نے دیکھا مرا پیچ و تاب
دیا اُس نے مُنہ پھیر کر یوں جواب

رُلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا
دِیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا

سمجھتی ہے تُو ہو گیا کیا اسے؟
ترے آنسوؤں نے بُجھایا اسے!

شب: رات۔ اضطراب: پریشانی۔ محال: بہت مشکل، ناممکن۔ زمُرّد: سبز رنگ کا ہیرا، مراد سبز رنگ۔ پلاسر: دِیا۔
اشکوں: اشک کی جمع، آنسو۔ پیچ و تاب: گھبراہٹ، پریشانی۔

پرندے کی فریاد

بچّوں کے لیے

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانا
وہ باغ کی بہاریں، وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا، اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر، آتا ہے یاد جس دَم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مُسکرانا
وہ پیاری پیاری صورت، وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا
آتی نہیں صدائیں اُس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں!

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں

ساتھی تو ہیں وطن میں، مَیں قید میں پڑا ہوں

آئی بہار، کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں

میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اس قید کا الٰہی! دُکھڑا کسے سُناؤں

ڈر ہے یہیں قفس میں مَیں غم سے مر نہ جاؤں

جب سے چمن چُھٹا ہے، یہ حال ہو گیا ہے

دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سُننے والے

دُکھتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد مجھ کو کر دے، او قید کرنے والے!

میں بے زباں ہوں قیدی، تو چھوڑ کر دُعا لے

کہاں: مراد کہیں نہیں۔ دل پہ چوٹ لگنا: بہت دُکھ پہنچنا۔ شبنم کے آنسو: اوس کے قطرے۔ مُسکرانا: کِھلنا۔ کامنی: حسین اور نازک۔ مُورت: صورت، شکل۔ آشیانا: آشیانہ، گھونسلا۔ قفس: پنجرہ۔ ہائے کاش: افسوس کر/ خدا کرتا کہ۔ بَس: اختیار، زور۔ ترسنا: ملنے کے شوق میں پھڑکنا۔ کلیوں کا ہنسنا: کلیوں کا کِھلنا۔ قسمت کو رونا: مراد بدقسمتی پر دُکھ کا اظہار کرنا۔ چُھٹنا: دور ہونا۔

خُفتگانِ خاک سے اِستفسار

مہرِ روشن چھُپ گیا، اُٹھّی نقابِ رُوئے شام
شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
یہ سِیہ پوشی کی تیّاری کسی کے غم میں ہے
محفلِ قدرت مگر خورشید کے ماتم میں ہے
کر رہا ہے آسماں جادُو لبِ گفتار پر
ساحرِ شب کی نظر ہے دیدۂ بیدار پر
غوطہ زن دریائے خاموشی میں ہے موجِ ہَوا
ہاں، مگر اک دُور سے آتی ہے آوازِ دَرا
دل کہ ہے بے تابیِ اُلفت میں دنیا سے نفُور
کھینچ لایا ہے مجھے ہنگامۂ عالَم سے دُور
منظرِ حرماں نصیبی کا تماشائی ہُوں میں
ہم نشینِ خُفتگانِ کُنجِ تنہائی ہُوں میں

تھم ذرا بے تابیِ دل! بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

اے مئے غفلت کے سرمستو! کہاں رہتے ہو تم؟
کچھ کہو اُس دیس کی آخر، جہاں رہتے ہو تم

وہ بھی حیرت خانۂ اِمروز و فردا ہے کوئی؟
اور پیکارِ عناصر کا تماشا ہے کوئی؟

آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
اُس ولایت میں بھی ہے انساں کا دل مجبور کیا؟

واں بھی جل مرتا ہے سوزِ شمع پر پروانہ کیا؟
اُس چمن میں بھی گُل و بُلبل کا ہے افسانہ کیا؟

یاں تو اک مصرع میں پہلو سے نکل جاتا ہے دل
شعر کی گرمی سے کیا واں بھی پگھل جاتا ہے دل؟

رشتہ و پیوند یاں کے جان کا آزار ہیں
اُس گلستاں میں بھی کیا ایسے نُکیلے خار ہیں؟

اِس جہاں میں اک معیشت اور سَو اُفتاد ہے
رُوح کیا اُس دیس میں اِس فکر سے آزاد ہے؟

کیاوہاں بجلی بھی ہے، دہقاں بھی ہے، خرمن بھی ہے؟
قافلے والے بھی ہیں، اندیشۂ رہزن بھی ہے؟

تِنکے چُنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
خِشت و گِل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے؟

واں بھی انساں اپنی اصلیت سے بیگانے ہیں کیا؟
امتیازِ ملّت و آئیں کے دیوانے ہیں کیا؟

واں بھی کیا فریادِ بُلبل پر چمن روتا نہیں؟
اِس جہاں کی طرح واں بھی دردِ دل ہوتا نہیں؟

باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟
یا رُخِ بے پردۂ حُسنِ ازل کا نام ہے؟

کیا جہنّم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟
آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟

کیا عوض رفتار کے اُس دیس میں پرواز ہے؟
موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں، کیا راز ہے؟

اضطرابِ دل کا ساماں یاں کی ہست و بُود ہے
علمِ انساں اُس ولایت میں بھی کیا محدود ہے؟

دِید سے تسکین پاتا ہے دلِ مہجُور بھی؟
'لن ترانی' کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طُور بھی؟

جستجو میں ہے وہاں بھی رُوح کو آرام کیا؟
واں بھی انساں ہے قتیلِ ذوقِ اِستفہام کیا؟

آہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا معمور ہے؟
یا محبت کی تجلّی سے سراپا نُور ہے؟
تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے
موت اِک چُبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے

خفتگان: جمع خفتہ، سوئے ہوئے، مُراد مُردے۔ خاک: مٹی، مُراد قبر۔ استفسار: سوال۔ مہرِ روشن: چمکتا ہوا سورج۔ رُوئے شام: شام کا چہرہ۔ شانۂ ہستی: مُراد کائنات کا کندھا۔ گیسوئے شام: رات کی زلفیں۔ سیہ پوشی: کالا لباس پہننے کی حالت۔ خورشید: سورج۔ لبِ گفتار: بولنے والے ہونٹ۔ جادو کرنا: اشارہ ہے نیند کی طرف۔ ساحرِ شب: رات کا جادوگر۔ دیدۂ بیدار: جاگتی ہوئی آنکھیں۔ غوطہ زن: ڈبکی لگانے والا۔ دریائے خاموشی: مُراد رات کے وقت ہر طرف چھائی ہوئی خاموشی۔ آوازِ درا: گھنٹے کی آواز۔ بیتابیٔ اُلفت: محبت کے سبب ہونے والی بےچینی۔ نفور: نفرت کرنے والا۔ ہنگامۂ عالم: اِس دنیا کا غُل غپاڑا۔ حرماں نصیبی: نامُرادی کی قسمت۔ کنجِ تنہائی: الگ تھلگ رہنے کا کونا۔ تھم: رُک۔ چار آنسو گرانا: تھوڑی دیر تک رونا۔ مۓ غفلت: بےہوشی کی شراب، غفلت مُراد موت۔ بزمِ مستو: بزم مست کی جمع، مدہوش لوگ یعنی مُردہ۔ دیس: مُلک۔ حیرت خانۂ امروز و فردا: آج اور آنے والے کل کی حیرتوں کا گھر، مُراد یہ دنیا جہاں وقت بدلتا رہتا اور انقلاب آتے رہتے ہیں۔ پیکارِ عناصر: مُراد آگ، پانی، مٹی، ہوا کا آپس میں ٹکراؤ جو پیدائش یا فنا کا سبب بنتا ہے۔ حصار: قلعہ، چار دیواری۔ محصور: گھِرا ہوا، قید۔ ولایت: مُلک۔ سوز: جلنے کی حالت۔ مصرع: شعر کا ایک ٹکڑا۔ دل پہلو سے نکل جانا: دل کا تڑپ اُٹھنا۔ شعر کی گرمی: شعر میں جذبے اُبھارنے والی تاثیر۔ رشتہ و پیوند: رشتے داریاں اور آپس کے تعلقات۔ یاں کے: اِس دنیا کے۔ جان کا آزار: روح کے لیے تکلیف کا باعث۔ نکیلے خار: نوکیلے / تیز کانٹے۔ معیشت: مراد زندگی۔ سُو اُفتاد: کئی مصیبتیں۔ خرمن: غلّے کا ڈھیر۔ خشت و گِل: اینٹ اور مٹی جس سے عمارت بناتے ہیں۔ دردِ دل: ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ۔ فردوس: جنت۔ منزلِ آرام: آرام کرنے کا ٹھکانا۔ رُخِ بے پردہ: مراد کھلا چہرہ۔ حُسنِ ازل: قدرت کا حُسن۔ معصیت سوزی: گناہ جلانے کا عمل۔ مقصدِ تادیب: ادب سکھانے / تنبیہ کی غرض۔ رفتار: زمین پر چلنا۔ ہست و بود: مراد موجودات کی دنیا، یہ کائنات۔ محدود: مراد تھوڑا / مختصر۔ دید: مراد محبوبِ حقیقی کا دیدار۔ مہجور: ہجر / فراق کا شکار۔ لن ترانی: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا (کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر خدا کا جواب)۔ طور: طورِ سینا، مذکورہ پہاڑ۔ جستجو: تلاش۔ قتیل: مراد جان چھڑکنے والا۔ ذوقِ استفہام: سوال کرنے، پوچھنے یعنی تلاش و جستجو کا شوق۔ کشور: مُلک۔ معمور: بھری ہوئی۔ سراپا: پورے طور پر۔ گنبدِ گرداں: مراد آسمان۔ چبھتا ہوا کانٹا: ایسا خیال / سوال جو دل کو بےچین رکھتا ہو

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع! پیار کیوں؟
یہ جانِ بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟

سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے
آدابِ عشق تُو نے سِکھائے ہیں کیا اسے؟

کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
پُھونکا ہُوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟

آزارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟
شعلے میں تیرے زندگیِ جاوِداں ہے کیا؟

غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو
اس تُفتہ دل کا نخلِ تمنا ہرا نہ ہو

گِرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذّتِ سوز و گداز ہے

کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حُسنِ قدیم ہے
چھوٹا سا طُور تُو، یہ ذرا سا کلیم ہے

پروانہ، اور ذوقِ تماشائے روشنی
کیڑا ذرا سا، اور تمنّائے روشنی!

جانِ بیقرار: محبت کے سبب بے چین روح. سیماب وار: پارے کی طرح، مراد ہر گھڑی بے چین. جلوہ گاہ: مراد روشنی کی جگہ. پھونکا ہوا: جلایا ہوا. برقِ نگاہ: نگاہوں کی بجلی. آزار: تکلیف، دُکھ. آرامِ جاں: روح کا سکون. زندگیِ جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی. غم خانۂ جہاں: مراد یہ دنیا جو دکھوں کا گھر ہے. تفتہ دل: جس کا دل جلا ہو، مراد عاشق. نخلِ تمنا: خواہش کا درخت. ہرا ہونا: سرسبز ہونا، مراد آرزو پوری ہونا. حضور: خدمت. لذتِ سوز و گداز: عشق کی تپش اور گرمی کا مزہ. حُسنِ قدیم: مراد محبوبِ حقیقی کا حسن و جمال. کلیم: مراد حضرت موسیٰ جیسا. تماشائے روشنی: روشنی دیکھنے کا عمل.

عقل و دِل

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
بھُولے بھٹکے کی رہنما ہُوں میں

ہُوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رَسا ہُوں میں

کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثلِ خضرِ خجستہ پا ہُوں میں

ہُوں مُفسّرِ کتابِ ہستی کی
مظہرِ شانِ کبریا ہُوں میں

بوند اک خون کی ہے تُو لیکن
غیرتِ لعلِ بے بہا ہُوں میں

دل نے سُن کر کہا یہ سب سچ ہے
پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہُوں میں

رازِ ہستی کو تُو سمجھتی ہے
اور آنکھوں سے دیکھتا ہُوں میں

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
اور باطن سے آشنا ہوں میں

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
تُو خدا جُو، خدا نما ہوں میں

علم کی انتہا ہے بے تابی
اس مرض کی مگر دوا ہوں میں

شمع تُو محفلِ صداقت کی
حُسن کی بزم کا دِیا ہوں میں

تُو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائرِ سِدرہ آشنا ہوں میں

کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش ربِّ جلیل کا ہوں میں!

رَسا: پہنچنے والی/والا۔ خضر: روایتی ولی جو بھولے ہوؤں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ خجستہ پا: مبارک قدموں والا۔ کتابِ ہستی: مراد زندگی کی کتاب۔ مظہر: ظاہر ہونے کی جگہ۔ شانِ کبریا: خدا کی شان/عظمت۔ لعلِ بے بہا: بہت قیمتی لعل (قیمتی پتھر)۔ مظاہر: جمع مظہر، مراد نظر آنے والی چیزیں۔ خدا جو: خدا کو تلاش کرنے والی۔ خدا نما: خدا کا پتا بتانے والا۔ مَرَض: بیماری، مراد حقیقتِ مطلقہ تک پہنچ نہ ہونا۔ محفلِ صداقت: حقیقت کی بزم۔ حُسن: مراد محبوبِ حقیقی کا حسن و جمال۔ رشتہ بپا: جس کے پاؤں میں دھاگا بندھا ہو، ایسا پرندہ جو خاص حد تک اُڑ سکے۔ طائر: پرندہ۔ سدرہ آشنا: جو حضرت جبرئیلؑ کے ٹھکانے سے واقف ہو۔ ربِّ جلیل: بڑی عظمت والا خدا۔

صدائے درد

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تُو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا، یاں تو اک قُربِ فراق انگیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوّت کی ہَوا آئی نہیں
اُس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذّتِ قُربِ حقیقی پر مِٹا جاتا ہُوں میں
اِختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہُوں میں

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ مُعجز بیاں
ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں

حُسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو
ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں
کب زباں کھولی ہماری لذّتِ گفتار نے!
پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

کَل نہ پڑنا: چین نہ آنا، بیقراری. کسی پہلو: کسی طرح بھی. محیط: دریا کا پاٹ. آبِ گنگا: دریائے گنگا، ہندوؤں کا بہت مقدس دریا. قیامت کی: بیحد، بہت زیادہ. نفاق انگیز: آپس میں پھوٹ/ نا اتفاقی ڈالنے والی. قُربِ فراق آمیز: ایسی نزدیکی جس میں دُوری شامل ہو (ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا چاقی کی طرف اشارہ ہے). غضب ہے: دُکھ کی بات ہے. خرمن: کھلیان، غلے کا ڈھیر. نغمہ پیرائی: ترانہ/ گیت گانا یا سنانا. قُربِ حقیقی: مراد صحیح معنوں میں دوستی/ بھائی چارا. مٹا جانا: کسی چیز/ بات سے بیحد لگاؤ ہونا. اختلاط: باہم ملنا/ ٹکرانا. موجہ و ساحل: لہر اور کنارہ. دانۂ خرمن نما: ایسا دانہ جس سے پورے کھلیان کا پتا چل جائے (دانہ مراد شاعر اور خرمن مراد قوم). شاعرِ معجز بیاں: معجزے کی سی فصیح شاعری کرنے والا. مائل: توجہ کرنے/ دیکھنے والا. خود نما: اپنے حُسن کی نمائش کرنے والا. ذوقِ گویائی: بولنے کا شوق/ اشتیاق. جوہر: مراد چمک دمک. زبان کھولنا: بولنا. لذّتِ گفتار: بولنے کا مزہ. پھونک ڈالا: جلا ڈالا. آتشِ پیکار: مراد دو قوموں (ہندو، مسلم) کی باہمی دشمنی.

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب! رُوح و روانِ جہاں ہے تُو
شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تُو

باعث ہے تُو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دَم سے چمن ہست و بود کا

قائم یہ عُنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلّی سے نور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تُو
یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تُو

تیرا کمال ہستیِ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

ہر چیز کی حیات کا پروردگار تُو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تُو

نے ابتدا کوئی نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

گایتری: ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید کی ایک بہت قدیم اور مشہور دعا۔ روح و رواں: مراد جس پر انسانی زندگی کا دارو مدار ہے۔ شیرازہ بند: مراد کائنات کے انتظام کو مضبوط بنانے والا۔ دفترِ کون و مکاں: مراد یہ کائنات جس کے مختلف جز ہیں۔ باعث: وجہ۔ نمود: ظاہر ہونے کی حالت۔ ہست و بود: کائنات، دنیا۔ تقاضا: صلاحیت، اہلیت۔ جلوہ گری: ظاہر ہونے کی کیفیت۔ ثبات: مراد زندگی۔ سوز و ساز: مراد تپش اور گرمی۔ ضیائے شعور: سمجھ بوجھ کی روشنی۔ محفلِ وجود: مراد کائنات۔ ساماں طراز: مراد انتظام / بندوبست کرنے والا۔ یزداں: اچھائیوں کا خدا۔ نشیب و فراز: مراد زمین اور اوپر کی دنیا۔ ہستی: زندگی۔ سلسلۂ کوہسار: پہاڑوں کی قطار۔ پروردگار: پالنے والا۔ زائیدگانِ نور: نور / روشنی سے پیدا ہونے والے، ہندوؤں کے دیوتا۔ تاجدار: بادشاہ۔ قیدِ اوّل و آخر: یعنی ابتدا اور انتہا کی پابندی۔

شمع

بزمِ جہاں میں مَیں بھی ہوں اے شمع! دردمند
فریاد در گرہ صفتِ دانۂ سپند
دی عشق نے حرارتِ سوزِ دروں تجھے
اور گل فروشِ اشکِ شفق گوں کیا مجھے
ہو شمعِ بزمِ عیش کہ شمعِ مزار تُو
ہر حال اشکِ غم سے رہی ہمکنار تُو
یک بیں تری نظر صفتِ عاشقانِ راز
میری نگاہ مایۂ آشوبِ امتیاز
کعبے میں، بُت کدے میں ہے یکساں تری ضیا
مَیں امتیازِ دیر و حرم میں پھنسا ہُوا
ہے شان آہ کی ترے دُودِ سیاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تُو کہ برقِ تجلّی سے دُور ہے
بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے
تُو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں
بینا ہے اور سوزِ درُوں پر نظر نہیں
میں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی
تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گُداز کا
یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار
یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے
گُل میں مہک، شراب میں مستی اسی سے ہے
بُستان و بُلبل و گُل و بُو ہے یہ آگہی
اصلِ کشاکشِ من و تُو ہے یہ آگہی
صبحِ ازل جو حُسن ہُوا دلستانِ عشق
آوازِ 'کُن' ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
یہ حکم تھا کہ گلشنِ 'کُن' کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی
شامِ فراق صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے مَیں آشنا نہ تھا
زیبِ درختِ طُور مرا آشیانہ تھا

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

یادِ وطن فسردگیِ بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی، کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ
مسجودِ ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ

مضموں فراق کا ہوں، ثریا نشاں ہُوں میں
آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہُوں میں

باندھا مجھے جو اُس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کر دیا سرِ دیوانِ ہست و بود

گوہر کو مُشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سُست ہے، مضموں بلند ہے

چشمِ غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے
عالَم ظہورِ جلوۂ ذوقِ شعور ہے

یہ سلسلہ زمان و مکاں کا، کمند ہے
طوقِ گلوئے حُسنِ تماشا پسند ہے

منزل کا اشتیاق ہے، گم کردہ راہ ہُوں
اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہُوں

صیّاد آپ، حلقۂ دامِ ستم بھی آپ
بامِ حرم بھی، طائرِ بامِ حرم بھی آپ!

میں حُسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں

ہاں، آشنائے لب ہو نہ رازِ کُہن کہیں
پھر چھِڑ نہ جائے قصۂ دار و رَسَن کہیں

بزمِ جہاں: مراد دنیا. فریاد در گرہ: مراد ہر وقت فریاد پر تیار. دانۂ سپند: وہ دانہ جسے جب آگ پر ڈالیں تو چٹخنے لگتا ہے. سوزِ دروں: جذبۂ عشق کی گرمی. گل فروشِ اشکِ شفق گوں: شفق کی طرح سُرخ آنسوؤں کے پھول بیچنے والا، یعنی محبوب سے دُوری کے سبب خون کے آنسو رونے والا. بزمِ عیش: مراد خوشیوں کی محفل. ہمکنار رہنا: بغلگیر / ساتھ ساتھ رہنا. یک بیں: مراد ہر جگہ ایک ہی طرح روشنی دینے والی. عاشقانِ راز: بھید / حقیقت کے عاشق. مایۂ آشوبِ امتیاز: تفریق پیدا کرنے کے فتنے کا سبب. دَیر و حرم: مندر اور کعبہ ہندو اور مسلمان. آہ کی شان: مراد آہ کی سی کیفیت. دودِ سیاہ: کالا دھواں. جلوہ گاہ: مراد روشنی کی جگہ. برقِ تجلّی: جلوہ کی بجلی مراد محبوبِ حقیقی کا جلوہ. سوز: جلنے کی حالت. بینا: نظر والی. سوزِ دروں: عشق کے سبب دل کی تپش. جوشِ اضطراب: سخت بے چینی کی حالت. سیماب وار: پارے کی طرح. بے نیاز: یعنی محبوبِ حقیقی جو کسی کا محتاج نہیں. گداز: پگھلنے یعنی عشق میں گھلنے کی حالت. خوابیدہ: سوئے ہوئے. شرر: چنگاری. آتشکدے: جمع آتش کدہ، آتش پرستوں کی عبادت گاہیں. رفعت: بلندی. بستان: بوستان، باغ. اصل:

بنیاد، جڑ. کشا کش: کھینچا تانی. من و تو: مَیں اور تُو. دلستاں: دل لینے / چھیننے والا. صبحِ ازل: کائنات کے وجود
میں آنے سے بھی پہلے کی صبح. آوازِ ''کن'': ہوجا کی آواز قرآنی آیت ہے خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا
ہے تو فرماتا ہے ''ہوجا'' اور وہ پیدا ہو جاتی ہے. تپش آموز: عشق میں تڑپ سکھانے والی. جانِ عشق: مراد
عاشق کی روح. خوابِ پریشاں: مراد خدا کی قدرت کے نظارے جو مختلف صورتوں میں ہیں. حجابِ وجود: مراد
ایسا پردہ جو وجود یعنی مخلوق و خالق کے درمیان ہے. میری: مراد انسان کی. نمود: ظاہر ہونا، وجود میں آنا. وہ دن
گئے: وہ وقت / زمانہ گزر گیا. درختِ طور: جس پر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا جلوہ دکھایا. قید: یعنی اس دنیا میں
رہنا. مَیں: انسان. قفس: پنجرہ، مراد یہ دنیا. غربت: پردیس، یہ دنیا. وطن: مراد اصلی گھر. فسردگی: افسردگی،
اداسی. فریبِ خیال: یعنی غلط فہمی. مسجود: جسے سجدہ کیا جائے. ساکنان: جمع ساکن، رہنے والے. مآل: انجام
فراق کا مضمون: مراد انسان جو اصل سے جُدا ہے. ثریا نشان: یعنی ثریا (خاص ستارے) کی طرح بلند لیکن
دور (ایسا مضمون جو سمجھ سے باہر ہے). آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں: دنیا کی نظم لکھنے والے یعنی تنظیم کرنے
والے کی طبیعت کی لے. باندھا: یعنی مضمون پیدا کیا، انسان کو تخلیق کیا. سرِ دیوانِ ہست و بود: کائنات کے
دیوان (شعروں کا مجموعہ) کے شروع میں. گوہر: موتی، روح. مُشتِ خاک: مٹی کی مُٹھی، انسانی جسم. بندش:
شعر میں الفاظ کا استعمال. مضمون بلند ہونا: شعر میں بیان کردہ مضمون عمدہ ہونا. چشمِ غلط نگر: حقیقت کو صحیح طور پر
نہ دیکھنے والی نگاہ / آنکھ. عالم: دنیا. ظہور: ظاہر ہونے کی حالت. جلوۂ ذوقِ شعور: فہم اور سمجھ بوجھ کے ذوق /
شوق کی تجلی. زمان و مکاں: کائنات. کمند: رسّی کا پھندا. طوقِ گلوئے حُسن: حُسن کے گلے / گردن کا طوق.
تماشا پسند: دلچسپ چیزوں کو دیکھنے کا شوقین. منزل: عالمِ بالا جو انسان کا اصل ٹھکانا ہے. گُم کردہ راہ: راستہ
بھولا / بھٹکا ہوا. فریبِ نگاہ: نظر کا دھوکا. حلقۂ دامِ ستم: ظلم کے جال کا حلقہ. بامِ حرم: کعبہ کی چھت. عشقِ
سراپا گداز: ایسا عشق جو سارے جسم کو پگھلا دے. کھلتا نہیں: واضح / صاف نہیں ہوتا. ناز: مراد محبوب. نیاز:
عاجزی، مراد عاشق. آشنائے لب ہونا: زبان پر آنا. رازِ کہن: پرانا بھید / حقیقت. چھڑ جانا: شروع ہو جانا.
قصۂ دار و رسن: رسّی باندھ کر پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی کہانی / واقعہ، اشارہ ہے منصور حلاج کی طرف.

ایک آرزُو

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب!
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بُجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فِدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہُوں، عُزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گُل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نُما ہو

ہو ہاتھ کا سرھانا، سبزے کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت، خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر، اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلھن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے اُن کو کُٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سُو بادل گِھرا ہُوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذِن
میں اُس کا ہم نوا ہُوں، وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دَیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دَم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دُعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں، شاید انھیں جگا دے

اُکتا جانا: تھک آنا، بیزار ہو جانا۔انجمن: بزم، باہم مل بیٹھنے کی جگہ۔دل بجھ جانا: کوئی خواہش نہ رہنا۔شورش: غُل غپاڑا، ہنگامہ۔تقریر: بولنے کی حالت۔بھا گنا: مراد پسند نہ کرنا۔دامن: وادی۔فکر سے آزاد: غموں دکھوں سے نجات پانے والا۔عزلت: تنہائی کا کونا۔دن گزارنا: زندگی بسر کرنا۔سرود: نغمہ، گیت۔چہچہوں: جمع چہچہا، پرندوں کے بولنے کی آواز۔شورشوں: جمع شورش، غُل، شور۔چٹک کر: کھِل کر۔کسی کا: مراد محبوبِ حقیقی / خالق کائنات کا۔ساغر: شراب کا پیالہ، کلی کو کہا۔جامِ جہاں نما: ایسا پیالہ جس میں دنیا نظر آئے۔ ایران کے قدیم

بادشاہ جمشید کے پاس ایسا پیالہ تھا۔ سبزہ: گھاس۔ جلوت: بزم، انجمن۔ مانوس: ہلی ہوئی، عادی۔ صف باندھے:
قطاروں کی صورت میں۔ تصویر لینا: صاف پانی میں عکس اُتارنا۔ دل فریب: دل کو بھانے والا۔ کہسار: پہاڑ
آغوش: گود، پہلو۔ حسین: خوبصورت۔ شام کی دلہن: مراد شام۔ مہندی: اشارہ ہے شفق کی طرف۔ سُرخی:
چہرے کو ملنے والا غازہ۔ قبا: لباس۔ کٹیا: جھونپڑی۔ ہر سُو: ہر طرف۔ بادل گھرنا: بادل چھا جانا۔ موذن: اذان
دینے والا/والی۔ ہمنوا: ساتھ مل کر بولنے / گانے والا۔ روزن: سوراخ۔ سحر نما: دن چڑھنے کا پتا دینے والا۔
نالہ: فریاد، رونا۔ درا: قافلے کی گھنٹی۔ دردمند: غمگین، دکھوں کا مارا۔ بے ہوش: غافل، عمل اور جدوجہد نہ کرنے
والا۔

آفتابِ صبح

شورشِ مے خانۂ انساں سے بالاتر ہے تُو
زینتِ بزمِ فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تُو
ہو دُرِ گوشِ عروسِ صبح وہ گوہر ہے تُو
جس پہ سیمائے اُفق نازاں ہو وہ زیور ہے تُو

صفحۂ ایام سے داغِ مِدادِ شب مِٹا
آسماں سے نقشِ باطل کی طرح کوکب مِٹا

حُسن تیرا جب ہُوا بامِ فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اُڑتا ہے یک دم خواب کی مے کا اثر
نور سے معمور ہو جاتا ہے دامانِ نظر
کھولتی ہے چشمِ ظاہر کو ضیا تیری مگر

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہیے
چشمِ باطن جس سے کُھل جائے وہ جلوا چاہیے

شوقِ آزادی کے دُنیا میں نہ نکلے حوصلے
زندگی بھر قید زنجیرِ تعلّق میں رہے
زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لیے
آرزو ہے کچھ اسی چشمِ تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو
امتیازِ ملّت و آئیں سے دل آزاد ہو

بستۂ رنگِ خصوصیّت نہ ہو میری زباں
نوعِ انساں قوم ہو میری، وطن میرا جہاں
دیدۂ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں
ہو شناسائے فلک شمعِ تخیّل کا دُھواں

عقدۂ اضداد کی کاوِش نہ تڑپائے مجھے
حُسنِ عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے

صدمہ آ جائے ہَوا سے گُل کی پتّی کو اگر
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر
دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

شاہدِ قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا نہ ہو
سر میں جُز ہمدردیِ انساں کوئی سودا نہ ہو

تُو اگر زحمت کشِ ہنگامۂ عالم نہیں
یہ فضیلت کا نشاں اے نیّرِ اعظم نہیں

اپنے حُسنِ عالم آرا سے جو تُو محرم نہیں
ہمسرِ یک ذرّۂ خاکِ درِ آدم نہیں

نورِ مسجودِ مَلک گرمِ تماشا ہی رہا
اور تُو منّت پذیرِ صبحِ فردا ہی رہا

آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
لیلیِ ذوقِ طلب کا گھر اسی محمل میں ہے

کس قدر لذّت کُشودِ عُقدۂ مشکل میں ہے
لطفِ صد حاصل ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

دردِ اِستفہام سے واقف ترا پہلو نہیں
جستجوئے رازِ قدرت کا شناسا تُو نہیں

آفتاب: سورج۔ شورش: شور، ہنگامہ، غُل غپاڑا۔ میخانۂ انساں: مراد یہ دنیا۔ بالاتر: زیادہ/بہت اونچا۔ زینت: سجاوٹ۔ بزمِ فلک: مراد چاند ستارے وغیرہ۔ ساغر: شراب کا پیالہ۔ دُر: موتی، ہیرا۔ گوش: کان۔ عروس: دلھن۔ گوہر: موتی۔ سیمائے افق: افق کا ماتھا۔ نازاں ہونا: فخر کرنا۔ صفحۂ ایام: مراد زمانے کا صفحہ یعنی خود زمانہ۔ مدادِ شب: رات کی سیاہی۔ مٹا: رگڑ کر صاف کر دے۔ نقشِ باطل: مراد غلط تحریر۔ کوکب: ستارہ۔ بامِ فلک: آسمان کی چھت۔ جلوہ گر: روشن۔ اثر اُڑنا: اثر ختم ہونا۔ خواب کی مے: مراد نیند۔ معمور: بھرا ہوا۔ دامانِ نظر: نظر کی جھولی۔ چشمِ باطن: ضمیر کی آنکھ، بصیرت۔ جلوا: جلوہ، روشنی۔ حوصلہ نکلنا: آرزو پوری ہونا۔ زنجیرِ تعلق: مراد دنیاوی دلچسپیوں کی زنجیر۔ زیر و بالا: نیچے اور اوپر۔ چشمِ تماشا: دیکھنے والی آنکھ/نگاہ۔ سرشک آباد: مراد

روتے رہنے والی۔ امتیازِ ملّت و آئیں: مذہب اور رسموں وغیرہ میں فرق پیدا کرنے کی کیفیت۔ بستہ رنگ خصوصیّت: خاص گروہ سے تعلق ہونے کی حالت۔ نوع: قسم، گروہ، جماعت۔ دیدۂ باطن: دل/ضمیر کی آنکھ بصیرت۔ نظمِ قدرت: قدرت کا نظم، قدرت کا بندوبست/انتظام۔ شناسائے فلک: آسمان سے واقف یعنی آسمان تک پہنچنے والا۔ تخیل: چند معلوم باتوں کو ذہن میں لا کر اُن سے ایک نیا خیال نکالنا۔ عقدۂ اضداد کی کاوش: مراد انسانوں کے باہمی اختلافات اور دشمنی وغیرہ کی اُلجھن۔ سوزِ محبت: محبت کی آگ۔ شرر: چنگاری۔ رازِ حقیقت: مراد اس دنیا کو پیدا کرنے کا اصل بھید یعنی انسانوں کی باہمی محبت۔ شاہدِ قدرت: حسینِ قدرت، مراد محبوبِ حقیقی۔ ہمدردیٔ انساں: انسانوں کے دُکھ درد میں شریک ہونا۔ سودا: شوق، دُھن۔ زحمت کش: تکلیف اُٹھانے والا۔ ہنگامۂ عالم: دنیا کا شور و غل۔ نیّرِ اعظم: سب سے زیادہ روشنی پھیلانے والا، یعنی سورج۔ حُسنِ عالم آرا: دنیا کو سجانے والا حُسن/روشنی۔ ہمسر: برابر کی شان والا۔ خاکِ درِ آدم: انسان کے دروازے کی مٹی، مراد حقیر شے۔ نورِ مسجودِ ملک: وہ نور جسے فرشتوں نے سجدہ کیا، مراد آدمؑ کا نور۔ گرمِ تماشا: مسلسل نظارے میں مصروف رہنے والا۔ منّت پذیر: دوسرے کا احسان اُٹھانے والا۔ صبحِ فردا: آنے والے کل کی صبح۔ نورِ حقیقت: حقیقتِ کائنات کو جاننے کی روشنی۔ لیلیٰ: مجنوں کی محبوبہ، مراد محبوب۔ ذوقِ طلب: جستجو/تلاش کا شوق۔ محمل: کجاوہ جو اونٹ پر سواری کی خاطر رکھا جاتا ہے۔ کشودِ عقدۂ مشکل: پیچیدہ مسئلے حل کرنے کی حالت۔ صد حاصل: مراد بہت سے فائدے/نتیجے۔ سعیِ بے حاصل: ایسی کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ دردِ استفہام: سوال کرنے/جستجو و تلاش کی تکلیف۔

دردِ عشق

اے دردِ عشق! ہے گُہرِ آب دار تُو
نامحرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تُو!

پنہاں تہِ نقاب تری جلوہ گاہ ہے
ظاہر پرست محفلِ نَو کی نگاہ ہے

آئی نئی ہَوا چمنِ ہست و بود میں
اے دردِ عشق! اب نہیں لذّت نمود میں

ہاں، خود نمائیوں کی تجھے جستجو نہ ہو
منّت پذیر نالۂ بُلبل کا تُو نہ ہو!

خالی شرابِ عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو

پنہاں درُونِ سینہ کہیں راز ہو ترا
اشکِ جگر گداز نہ غمّاز ہو ترا

گویا زبانِ شاعرِ رنگیں بیاں نہ ہو
آوازِ نَے میں شکوۂ فُرقت نہاں نہ ہو

یہ دَور نکتہ چیں ہے، کہیں چُھپ کے بیٹھ رہ
جس دل میں تُو مکیں ہے، وہیں چُھپ کے بیٹھ رہ

غافل ہے تجھ سے حیرتِ علم آفریدہ دیکھ!
جویا نہیں تری نگہِ نارسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیالِ بلند کو
حیرت میں چھوڑ دیدۂ حکمت پسند کو

جس کی بہار تُو ہو یہ ایسا چمن نہیں
قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں

یہ انجمن ہے کُشتۂ نظّارۂ مجاز
مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے راز

ہر دل مئے خیال کی مستی سے چُور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طُور ہے

گہرِ آب دار: چمکدار موتی۔ نامحرم: ناواقف، غیر، بیگانہ۔ پنہاں: چُھپا ہوا۔ تہِ نقاب: (چہرے کے) پردے کے نیچے۔ جلوہ گاہ: ظاہر ہونے کی جگہ۔ ظاہر پرست: مراد ظاہری دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے والی۔ محفلِ نَو: نئی بزم مراد نئی یا مغربی تہذیب۔ نئی ہَوا: مراد نئے طور طریقے / خیالات، مراد مادہ پرستی۔ چمنِ ہست و بود: مراد یہ دنیا۔ نمود: ظاہر ہونے / سامنے آنے کی حالت۔ خودنمائیوں: جمع خودنمائی، خود کو ظاہر کرنے کی حالتیں۔ ہاں: دیکھ، خبردار۔ نالۂ بلبل: بلبل کا رونا یعنی چہچہانا جس میں سوز ہوتا ہے۔ گریہ: رونا۔ درونِ سینہ: دل میں۔ اشکِ جگر گداز: ایسے پُرسوز آنسو جو جگر کو پگھلا دیں۔ غمّاز: چغلی کھانے یعنی بھید کھول دینے والا۔ گویا: بولنے والی۔ رنگیں بیاں: دل کش اشعار کہنے والا۔ نَے: بانسری۔ نکتہ چیں: عیب نکالنے والا، اعتراض کرنے والا۔ مکیں: ٹھکانا کیے

ہوئے۔ حیرت علم آفریدہ: علم کی پیدا کردہ حیرانی۔ جویا: تلاش کرنے والی نگہ نارسیدہ: ایسی نگاہ جو اپنے مقصود تک نہ پہنچے، ناتجربہ کار (عشق میں) نگاہ۔ خیال بلند: مراد فلسفی کی بلند سوچیں۔ دیدۂ حکمت پسند: فلسفے کو پسند کرنے والی نگاہ۔ کشتۂ نظارۂ مجاز: مراد ظاہری حسن پر مرنے والا۔ بیاانجمن: یہ زمانہ۔ خلوت سرائے راز: مراد کائنات کی حقیقت کی تنہائی کی جگہ یعنی منزل۔ مۓ خیال: تصور اور سوچ کی شراب، مراد عشق سے خالی۔ چور ہے: ڈوبا ہوا ہے۔ آج کل کے کلیم: موجودہ دور کے فلسفی جو جذبۂ عشق سے خالی ہیں لیکن فلسفیانہ دلیلوں سے خدا کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ طور: طور سینا جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔

گُلِ پژمُردہ

کس زباں سے اے گُلِ پژمُردہ تجھ کو گُل کہوں
کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بُلبل کہوں
تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جُنباں ترا
نام تھا صحنِ گلستاں میں گُلِ خنداں ترا
تیرے احساں کا نسیمِ صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطّار تھا
تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اُداسی میں دلِ ویراں مرا
میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تُو
خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تُو
ہمچو نَے از نیستانِ خود حکایت می کنم ☆
بشنو اے گُل! از جدائی ہا شکایت می کنم

گُلِ پژمُردہ: مرجھایا ہوا پھول، مراد انسانی روح جو اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہے۔ کس زباں سے کہوں: یعنی زبان میں بیان کی قوت نہیں۔ تمنائے دلِ بلبل: بلبل کے دل کی آرزو مراد بلبل کا محبوب۔ مَوجِ صبا: صبح کی ہوا کی لہر۔ گہوارۂ جنباں: ہلتا ہوا پنگوڑا، جھولا۔ گُلِ خنداں: ہنستا یعنی کھلا ہوا پھول۔ نسیمِ صبح: صبح کی نرم ہوا۔ تیرے دم سے: تیری وجہ سے۔ طبلۂ عطار: عطر بیچنے والے کا خوشبوؤں سے بھرا ہوا ڈبہ۔ شبنم برسانا: آنسو بہانا۔ دیدۂ گریاں: روتی ہوئی آنکھیں۔ نہاں: چھپا ہوا۔ دلِ ویراں: مراد افسردہ دل۔ تعبیر: خواب کا مطلب۔

☆ (مثنوی رومی کے سب سے پہلے شعر میں اضافہ ہے): میں بانسری کی طرح اپنے نرسلوں (بانسوں کے جنگل) کی داستان بیان کر رہا ہوں۔ اے پھول تو مَیں، میں (اپنی اصل سے) دور رہنے کی شکایت کر رہا ہوں۔

سیّد کی لوحِ تُربت

اے کہ تیرا مرغِ جاں تارِ نفَس میں ہے اسیر
اے کہ تیری رُوح کا طائر قفس میں ہے اسیر
اس چمن کے نغمہ پیراؤں کی آزادی تو دیکھ
شہر جو اُجڑا ہوا تھا، اُس کی آبادی تو دیکھ
فکر رہتی تھی مجھے جس کی وہ محفل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی
سنگِ تُربت ہے مِرا گرویدۂ تقریر دیکھ
چشمِ باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ

مدّعا تیرا اگر دُنیا میں ہے تعلیمِ دیں
ترکِ دُنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چُھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے

دیکھ! کوئی دل نہ دُکھ جائے تری تقریر سے

محفلِ نَو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ

رنگ پر جو اَب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

تُو اگر کوئی مدبّر ہے تو سُن میری صدا

ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کا عصا

عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے

نیک ہے نیّت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے

قُوّتِ فرماں روا کے سامنے بے باک ہے

ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم

شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم

پاک رکھ اپنی زباں، تلمیذِ رحمانی ہے تُو

ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو!

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے

خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

سیّد: مراد سر سیّد احمد خان جنھوں نے علی گڑھ میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کالج کھولا جو اب مسلم یونیورسٹی سے موسوم ہے۔ سیّد نے ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ لوحِ تربت: قبر پر لگا ہوا کتبہ۔ مرغِ جاں: روح کا پرندہ۔ تارِ نفس: سانس کی ڈوری۔ قفس: پنجرہ، مراد جسم۔ نغمہ پیرا: گیت گانے/ چہچہانے والے۔ فکر رہنا: تلاش میں رہنا۔ صبر و استقلال: قوتِ برداشت اور ثابت قدمی (کسی نظریے پر جمے رہنا)۔ سنگِ تربت: قبر پر لگا ہوا پتھر۔ گرویدۂ تقریر: بات چیت/ گفتگو کا شوق رکھنے والا۔ چشمِ باطن: مراد بصیرت۔ لوح: تختی۔ مُدعا: مقصد۔ وا کرنا: کھولنا۔ چُھپ کے بیٹھا ہے: مراد ابھی دبا ہوا ہے۔ ہنگامۂ محشر: قیامت کا فساد، مراد بہت بڑا فساد/ فتنہ۔ وصل: مراد اتفاق و محبت۔ دل دُکھنا: دل کو تکلیف پہنچنا۔ محفلِ نو: جدید/ نئی دنیا، موجودہ دور۔ پُرانی داستان چھیڑنا: پُرانے مسئلے چھیڑنا یا ان کو ہوا دینا۔ رنگ پر آنا: پسندیدہ/ مقبول ہونا۔ مدبّر: سیاست دان۔ صدا: آواز، مراد نصیحت۔ عرضِ مطلب: اپنی بات بیان کرنا۔ جھجک جانا: رُک جانا، ڈر محسوس کرنا۔ بیم و ریا: ہر طرح کا خوف اور ریاکاری دکھاوا۔ خامۂ معجز رقم: ایسی تحریر لکھنے والا قلم جو دوسرا نہ لکھ سکے۔ شیشۂ دل: مراد دل۔ جامِ جم: قدیم ایرانی بادشاہ جمشید کا شراب کا پیالہ جس میں دنیا نظر آتی تھی۔ پاک رکھنا اپنی زباں: کسی کو بُرا بھلا نہ کہہ، گالی گلوچ نہ کر۔ تلمیذِ رحمانی: خدا کا شاگرد، عربی مقولہ ہے: ''الشعراء تلامید الرحمٰن'' شاعر خدا کے شاگرد ہیں (الہام ہوتا ہے)۔ صدا: مراد شاعری۔ سونے والے: مراد جو عمل اور جدوجہد نہیں کر رہے۔ جگا دے: ان میں جوش و جذبہ پیدا کر دے۔ اعجاز: معجزہ، کرامت۔ خرمنِ باطل: کفر/ باطل طاقتوں کا کھلیان/ فصل۔ شعلۂ آواز: مراد جذبوں کی گرمی اور حرارت سے پُر شاعری۔

ماہِ نَو

ٹُوٹ کر خورشید کی کَشتی ہوئی غرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے رُوئے آبِ نیل
طشتِ گردُوں میں ٹپکتا ہے شفَق کا خونِ ناب
نشترِ قُدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب
چرخ نے بالی چُرا لی ہے عُروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی
قافلہ تیرا رواں بے منّتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سُن نہیں سکتا تری آوازِ پا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دِکھلاتا ہے تُو
ہے وطن تیرا کدھر، کس دیس کو جاتا ہے تُو
ساتھ اے سیّارۂ ثابت نما لے چل مجھے
خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بے کل مجھے
نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بستی میں مَیں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں مَیں

ماہِ نو: پہلی رات کا چاند، ہلال. خورشید: سورج. غرقابِ نیل ہوئی: مصر کے دریائے نیل میں ڈوب گئی. ایک ٹکڑا: اشارہ ہے ہلال کی طرف. تیرتا پھرتا ہے: یعنی اس کا عکس بہتے پانی میں پڑ رہا ہے. طشتِ گردوں: آسمان کی تھالی. شفق: آسمان کی سرخی. خونِ ناب: خالص خون. نشتر: زخم چیرنے کا باریک اوزار. فصد کھولنا: نشتر سے رگ میں سے گندا/خراب خون نکالنا. بالی: کان کا بُندا. عروسِ شام: شام یا رات کی دلہن. سیم خام: کچی چاندی. بے منّت: احسان کے بغیر. بانگِ درا: قافلے کی گھنٹی کی آواز. گوش: کان. آوازِ پا: پاؤں کی چاپ. سیارۂ ثابت نما: ایسا چلنے والا ستارہ جو ایک جگہ پر ٹکے ہوئے ستارہ کی طرح دکھائی دیتا ہے. خارِ حسرت: آرزو کا کانٹا، مراد دل کی آرزو/خواہش. خلش: چبھن. بے کل: بے چین، بیقرار. طالب: مانگنے/چاہنے والا. طفلک: چھوٹا سا بچہ. سیماب پا: جس کے پاؤں حرکت ہی میں رہتے ہوں. مکتبِ ہستی: یہ دنیا جو انسان کے لیے مقامِ عبرت و درس ہے.

اِنسان اور بزمِ قُدرت

صبح خورشیدِ دُرَخشاں کو جو دیکھا میں نے
بزمِ معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
پرتوِ مہر کے دَم سے ہے اُجالا تیرا
سیمِ سیّال ہے پانی ترے دریاؤں کا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
گل و گلزار ترے خُلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سُورۂ 'والشمس' کی تفسیریں ہیں
سُرخ پوشاک ہے پھولوں کی، درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز، کوئی لال پری
ہے ترے خیمۂ گردُوں کی طِلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں اُفق پر جو نظر
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مَے گلرنگ خُمِ شام میں تُو نے ڈالی

رُتبہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری
پردۂ نور میں مستور ہے ہر شے تیری
صبح اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
زیرِ خورشید نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا
مَیں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر
جل گیا پھر مری تقدیر کا اختر کیونکر؟

نور سے دُور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیَہ روز، سیَہ بخت، سیَہ کار ہوں میں؟

مَیں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی
بامِ گردُوں سے وہ یا صحنِ زمیں سے آئی
ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و نبود
باغباں ہے تری ہستی پئے گُلزارِ وجود
انجمن حُسن کی ہے تُو، تری تصویر ہُوں میں
عشق کا تُو ہے صحیفہ، تری تفسیر ہُوں میں
میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تُو نے
بار جو مجھ سے نہ اُٹھا وہ اُٹھایا تُو نے
نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
اور بے منّتِ خورشید چمک ہے تیری

ہو نہ خورشید تو ویراں ہو گلستاں میرا
منزلِ عیش کی جا نام ہو زِنداں میرا

آہ، اے رازِ عیاں کے نہ سمجھنے والے!
حلقۂ دامِ تمنّا میں اُلجھنے والے

ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز
ناز زیبا تھا تجھے، تُو ہے مگر گرمِ نیاز

تُو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیَہ روز رہے پھر نہ سیَہ کار رہے

بزمِ قدرت: قدرت کی محفل، مراد یہ دنیا/ کائنات۔ خورشیدِ درخشاں: چمکتا ہوا سورج۔ معمورۂ ہستی: مراد آباد دنیا۔ پرتوِ مہر: سورج کی روشنی۔ دَم: وجہ، سبب۔ سیم سیّال: بہتی ہوئی چاندی۔ محفل کو چمکانا: محفل روشن کرنا، رونق کا سبب بننا۔ خلد: بہشت۔ سورۂ "والشّمس": پارہ ۳۰ کی ایک سورۃ جس کا آغاز "والشّمس" سے ہوتا ہے یعنی اللہ نے سورج کی قسم کھائی ہے۔ خیمۂ گردوں: آسمان کا خیمہ، مراد آسمان۔ طلائی جھالر: سونے کی جھالر، مراد سُرخ زرد بدلیاں۔ اُفق: آسمان کا دور کا کنارہ۔ لالی: سُرخی۔ مے گلرنگ: سُرخ رنگ کی شراب۔ خُمِ شام: شام کا مٹکا۔ مستور: چھپی ہوئی۔ سَطوت: شان وشوکت، دبدبہ۔ زیر: نیچے۔ ظلمت: تاریکی، اندھیرا۔ اختر: ستارہ۔ کیونکر: کس طرح۔ گرفتار: قابو میں آیا ہوا، پکڑا ہوا۔ سیَہ روز: جس کا دن تاریک ہو، بدقسمت۔ بامِ گردوں: آسمان کی چھت۔ وابستہ: بندھی ہوئی، منسلک۔ بود ونبود: ہونا یعنی ہستی اور نہ ہونا یعنی نیستی۔ ہستی: زندگی، وجود۔ پئے گلزارِ وجود: ہستی کے باغ کے لیے۔ صحیفہ: کتاب۔ بگڑے کام بنانا: جو کام غلط ہوئے ہوں انھیں ٹھیک کرنا۔ بے منّتِ خورشید: سورج کے احسان کے بغیر۔ ویراں: ایسی جگہ جہاں کوئی آبادی وغیرہ نہ ہو۔ منزلِ عیش کی جا: عیش کے ٹھکانے کی بجائے۔ زنداں: قید خانہ۔ رازِ عیاں: کھلا بھید۔ حلقۂ دامِ تمنّا: آرزو کے جال کا حلقہ۔ اُلجھنے والا: پھنسنے والا۔ ہائے غفلت: یہ سُستی اور بے پروائی افسوس ناک ہے۔ پابندِ مجاز: غیر حقیقی باتوں کو دیکھنے کی عادی۔ ناز: چونچلا، فخر۔ زیبا: مراد مناسب، لائق۔ گرمِ نیاز: عاجزی/ انکسار میں مصروف۔

پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اُجالا جب ہوا رخصت جبینِ شب کی افشاں کا
نسیمِ زندگی پیغام لائی صبحِ خنداں کا

جگایا بُلبلِ رنگیں نوا کو آشیانے میں
کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اُس نے دہقاں کا

طلسمِ ظلمتِ شب سُورۂ والنُّور سے توڑا
اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا

پڑھا خوابیدگانِ دَیر پر افسونِ بیداری
برہمن کو دیا پیغام خورشیدِ دُرَخشاں کا

ہوئی بامِ حرم پر آ کے یوں گویا مؤذّن سے
نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا؟

پُکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گُل! تُو مؤذّن ہے گلستاں کا

دیا یہ حکم صحرا میں چلو اے قافلے والو!
چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرّہ بیاباں کا

سُوئے گورِ غریباں جب گئی زِندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو، مَیں پھر بھی آؤں گی
سُلا دوں گی جہاں کو، خواب سے تم کو جگاؤں گی

لانگ فیلو: مشہور امریکی شاعر، پیدائش ۱۸۰۷ء۔ نظموں کا پہلا مجموعہ بنام ''آہنگِ شب'' ۱۸۳۹ء میں شائع ہوا۔ رخصت ہونا: غائب / ختم ہو جانا۔ جبینِ شب: رات کی پیشانی۔ افشاں: گوٹے کی کترن، سجاوٹ کے لیے ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔ نسیم: صبح کی خوشگوار ہوا۔ صبحِ خنداں: ہنستی ہوئی صبح۔ رنگیں نوا: دل کو بھانے والا نغمہ گانے والی / چہچہانے والی۔ شانہ ہلانا: کسی کو جگانے کے لیے ہلانا۔ دہقاں: کسان۔ طلسم توڑنا: جادو کا اثر ختم کیا۔ سورۂ ''والنور'': قرآن کریم کی ۲۴ویں سورۃ، مراد سورج۔ تاجِ زر توڑا: مراد شہری روشنی ختم کر دی۔ شمعِ شبستان: رات کی محفل کی موم بتی۔ خوابیدگان: جمع خوابیدہ، سوئے ہوئے۔ دَیر: مندر۔ برہمن: ہندوؤں کا مذہبی رہنما۔ خورشیدِ درخشاں: چمکتا ہوا سورج۔ بامِ حرم: کعبہ / مسجد کی چھت۔ گویا ہوئی: بولی، کہنے لگی۔ نمود: ظاہر / طلوع ہوا۔ مہرِ تاباں: روشن سورج۔ پکاری: اونچی آواز میں کہنے لگی۔ چٹک: کِھل۔ او غنچہ: اری کلی، اے کلی۔ سوئے گورِ غریباں: پردیسیوں، یعنی عدم کے مسافروں کی قبروں کی طرف۔ زندوں کی بستی: چلتے پھرتے انسانوں کی دنیا۔ شہرِ خموشاں: قبرستان۔ خواب: نیند۔ سُلا دوں گی: مراد مار دوں گی۔ جگا دوں گی: قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر دوں گی۔

عشق اور موت

(ماخوذ از ٹینی سن)

سُہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہر کو تاجِ زر مِل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سِیَہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتّے
کہیں زندگی کی کلی پھُوٹتی تھی
فرشتے سِکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گُل کو پہلے پہل آ رہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو
خودی تِشنہ کامِ مَے بے خودی تھی

اُٹھی اوّل اوّل گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی

زمیں کو تھا دعویٰ کہ مَیں آسماں ہوں
مکاں کہہ رہا تھا کہ مَیں لامکاں ہوں

غرَض اس قدر یہ نظارہ تھا پیارا
کہ نظّارگی ہو سراپا نظارا

مَلک آزماتے تھے پرواز اپنی
جبینوں سے نورِ ازَل آشکارا

فرشتہ تھا اک، عشق تھا نام جس کا
کہ تھی رہبری اُس کی سب کا سہارا

فرشتہ کہ پُتلا تھا بے تابیوں کا
مَلک کا مَلک اور پارے کا پارا

پَئے سیر فردوس کو جا رہا تھا
قضا سے مِلا راہ میں وہ قضا را

یہ پُوچھا ترا نام کیا، کام کیا ہے
نہیں آنکھ کو دِید تیری گوارا

ہُوا سُن کے گویا قضا کا فرشتہ
اجل ہوں، مرا کام ہے آشکارا

اُڑاتی ہوں مَیں رختِ ہستی کے پُرزے
بجھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
مری آنکھ میں جادوئے نیستی ہے
پیامِ فنا ہے اسی کا اشارا
مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے مَیں سامنے اُس کے پارا
شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا
ٹپکتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
سُنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
ہنسی اُس کے لب پر ہوئی آشکارا
گِری اُس تبسّم کی بجلی اجل پر
اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا
بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
قضا تھی، شکارِ قضا ہو گئی وہ

ٹینی سن: مشہور انگریزی شاعر (۱۸۰۹ء۔۱۸۹۲ء)۔سُہانی: دل پر اچھا اثر کرنے والی۔نمودِ جہاں: دنیا کی خِلقت / پیدائش۔تبسم فشاں: مسکراہٹیں بکھیرنے والی۔تاجِ زر: سونے کا تاج، یعنی سنہری روشنی۔تابندگی: چمکنے

کی حالت۔ کلی پھوٹنا: کلی کھلنا۔ رونا: یعنی قطروں کی صورت میں گرنا۔ گل کو ہنسی آنا: مراد پھول کا کھلنا۔ درد: مراد جذبۂ عشق۔ تشنہ کام: پیاسا/ پیاسی۔ مے بے خودی: حالت وجد کی شراب۔ خودی: اپنے وجود کا احساس۔ چوٹی: چٹیا، گندھے ہوئے بال۔ حور: جنت کی عورت، خوبصورت عورت۔ دعویٰ: اپنی بات کی سچائی پر زور دینے کی حالت۔ آسماں ہُوں: بلند ہُوں، بلند مرتبہ ہُوں۔ مکاں: مراد یہ وجود کی دنیا۔ لا مکاں: عالَم بالا/ اوپر کی دنیا۔ نظارگی: دیکھنے کی کیفیت/ دیکھنے والا۔ سراپا: پوری طرح۔ مَلک: فرشتہ/ فرشتے۔ جبینوں: جمع جبین، پیشانیاں۔ نورِ ازل: کائنات کی تخلیق سے بھی پہلے کا نور۔ پُتلا: مجسمہ، تصویر۔ پارا: سفید مائع دھات جو ہر وقت ہلتی رہتی ہے۔ پئے سیر: سیر کے واسطے۔ فردوس: جنت۔ قضا: خدائی حکم، موت کا فرشتہ۔ قضا را: اتفاق سے، اچانک۔ دید: دیکھنے کی کیفیت۔ گوارا: پسند، قابل برداشت۔ گویا ہوا: بولا، کہنے لگا۔ اجل: موت۔ رختِ ہستی کے پُرزے اُڑانا: زندگی کے لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، مراد زندگی ختم کر دینا۔ زندگی کا شرارا بجھانا: مراد مارنا، زندگی ختم کر دینا۔ جادوئے نیستی: مٹا دینے/ ختم کر دینے کا جادو۔ پیامِ فنا: موت کا سندیسہ۔ ہستی: وجود، مراد عشق/ بقا۔ آتش: آگ۔ شرر: چنگاری۔ نورِ مطلق: مکمل نور، مراد محبوب حقیقی۔ آنکھوں کا تارا: بہت پیارا۔ تلخی: کڑواہٹ۔ تبسم: مسکراہٹ۔ گزارا: نباہ، ٹکے رہنے کی حالت۔ بجلی گرنا: مصیبت آ پڑنا۔ بقا: ہمیشگی، باقی رہنے کی حالت۔ شکارِ قضا ہو گئی: فنا ہو گئی۔

زُہد اور رِندی

اک مولوی صاحب کی سُناتا ہوں کہانی
تیزی نہیں منظور طبیعت کی دِکھانی

شُہرہ تھا بہت آپ کی صُوفی مَنَشی کا
کرتے تھے ادب اُن کا اعالی و ادانی

کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوّف میں شریعت
جس طرح کہ الفاظ میں مُضمَر ہوں معانی

لبریز مَے زُہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں دُردِ خیالِ ہمہ دانی

کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی
منظور تھی تعداد مُریدوں کی بڑھانی

مُدّت سے رہا کرتے تھے ہمسائے میں میرے
تھی رِند سے زاہد کی ملاقات پُرانی

حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
اقبالؔ، کہ ہے قُمریِ شمشادِ معانی

پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمؔ ہمَدانی

سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی

ہے اس کی طبیعت میں تشیُّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؓ ہم نے سُنی اس کی زبانی

سمجھا ہے کہ ہے راگ عبادات میں داخل
مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اُڑانی

کچھ عار اسے حُسن فروشوں سے نہیں ہے
عادت یہ ہمارے شُعَرا کی ہے پُرانی

گانا جو ہے شب کو تو سَحَر کو ہے تلاوت
اس رمز کے اب تک نہ کُھلے ہم پہ معانی

لیکن یہ سُنا اپنے مُریدوں سے ہے مَیں نے
بے داغ ہے مانندِ سحَر اس کی جوانی

مجموعۂ اضداد ہے، اقبالؔ نہیں ہے
دل دفترِ حکمت ہے، طبیعت خفقانی

رِندی سے بھی آگاہ، شریعت سے بھی واقف
پُوچھو جو تصوّف کی تو منصور کا ثانی

اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کُھلتی
ہوگا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی

القصّہ بہت طول دیا وعظ کو اپنے
تا دیر رہی آپ کی یہ نَغز بیانی

اس شہر میں جو بات ہو، اُڑ جاتی ہے سب میں
مَیں نے بھی سُنی اپنے اَحِبّاؔ کی زبانی

اک دن جو سرِ راہ مِلے حضرتِ زاہد
پھر چِھڑ گئی باتوں میں وہی بات پُرانی

فرمایا، شکایت وہ محبت کے سبب تھی
تھا فرض مرا راہ شریعت کی دِکھانی

مَیں نے یہ کہا کوئی ِگلہ مجھ کو نہیں ہے
یہ آپ کا حق تھا زرَہِ قُربِ مکانی

خم ہے سرِ تسلیم مرا آپ کے آگے
پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت
پیدا نہیں کچھ اس سے قصورِ ہمہ دانی

مَیں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی

مجھ کو بھی تمنّا ہے کہ 'اقبال' کو دیکھوں
کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

اقبالؔ بھی 'اقبال' سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

زُہد: پارسائی، بُرے کاموں سے بچنے کا عمل۔ رِندی: مذہب سے دوری کا عمل۔ طبیعت کی تیزی: سوچ اور فکر کی قدرتی قوت۔ دکھانا: ظاہر کرنا۔ منظور: پسند۔ شُہرہ: چرچا، مشہوری۔ صوفی منِشی: صوفیوں کی سی زندگی بسر کرنا۔ اعالی: جمع اعلیٰ، بڑے بڑے لوگ۔ اَدانی: جمع ادنیٰ، عام یا معمولی لوگ۔ پنہاں: چُھپی ہوئی۔ تصوف: دنیا سے بے نیاز اور اللہ کی ذات میں فنا ہونا۔ مضمر: چُھپے ہوئے۔ معانی: جمع معنیٰ، مطلب۔ لبریز: بھری ہوئی۔ مے زُہد: پارسائی کی شراب۔ صراحی: شراب کا بڑی ٹونٹی والا برتن، مراد دل۔ دُرد: تلچھٹ، مَیل۔ خیالِ ہمہ دانی: ہر بات / سب کچھ جاننے کا گھمنڈ۔ کرامات: جمع کرامت، ایسے کام جو عام آدمی کی طاقت سے باہر ہوں۔ رِند: شریعت پر نہ چلنے والا، مذہب سے دور۔ شناسا: واقف، جاننے والا۔ قُمری: کبوتر سے چھوٹا ایک خوش آواز پرندہ، فاختہ۔ شمشاد: ایک سیدھا لمبا درخت۔ بلندی معانی: معنوں یعنی شاعری میں نئے نئے مضامین پیدا کرنا۔ احکامِ

شریعت: شریعت کے احکام / فرائض۔ کیسا ہے: یعنی اچھا یا بُرا ہے۔ شعر: شاعری۔ رشک: دوسروں کی خوبی خود میں پیدا کرنے کی خواہش۔ کلیم ہمدانی: ابوطالب کلیم، فارسی کا مشہور شاعر اور مغلیہ بادشاہ شاہجہاں کے دربار کا ملک الشعراء وفات ۱۶۵۱ء۔ عقیدہ: اعتقاد، مذہبی خیال۔ فلسفہ دانی: علم فلسفہ جاننا۔ تشیع: شیعہ عقیدہ رکھنے کا عمل۔ تفضیل: فضیلت، دوسروں پر برتری دینا۔ علی: حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ راگ: موسیقی، گانا۔ عبادات: جمع عبادت۔ مقصود: غرض، مقصد۔ مگر: شاید۔ مذہب کی خاک اُڑانا: مذہب کو رُسوا/ ذلیل کرنا۔ عار: شرم، غیرت۔ حُسن فروش: حُسن بیچنے والی، مراد بازاری عورتیں۔ سحر کو: صبح کے وقت۔ رمز: بھید۔ معانی کھلنا: حقیقتِ حال ظاہر ہونا، سمجھ میں آنا۔ بے داغ: عیب / برائی سے پاک۔ مانندِ سحر: صبح کی طرح۔ مجموعۂ اضداد: ایسا شخص جس میں متضاد یعنی باہم مخالف باتیں جمع ہوں۔ دفترِ حکمت: فلسفہ کی کتاب۔ خفقانی: ماٹو لیا / دل دھڑکنے کی بیماری میں مبتلا۔ منصور: مراد حسین بن منصور حلاج (مشہور صوفی) جنھیں ''انا الحق'' کہنے پر پھانسی دے دی گئی تھی۔ ثانی: مراد مانند (منصور کی طرح کا)۔ حقیقت کھلنا: صحیح صورتِ حال معلوم ہونا۔ القصہ: مختصر یہ کہ۔ تا دیر: دیر تک۔ نغز بیانی: (اس میں طنز ہے) مراد بڑی پیاری گفتگو۔ بات اُڑ جانا: بات مشہور ہو جانا۔ اَحبا: جمع حبیب، دوست۔ سرِ راہ ملنا: راستے میں اچانک ملاقات ہونا۔ حضرتِ زاہد: مراد وعظ مولوی صاحب۔ بات چھیڑنا: باتیں شروع ہو جانا۔ راہ دکھانا: صحیح راستے پر ڈالنا۔ حق: فرض، لیکن اجازت جو اخلاقی طور پر کسی کو دی جائے۔ ذرہ قُربِ مکانی: قرب / ہمسائگی میں رہنے کی وجہ سے۔ خم ہے: جھکا ہوا ہے۔ سرِ تسلیم خم ہونا: دوسروں کی مرضی پر راضی رہنا۔ پیری: بڑھاپا۔ تواضع: عاجزی، انکسار، جھکنا۔ شناسا: جاننے والا۔ بحرِ خیالات: خیالوں کا سمندر۔ اقبال کو دیکھوں: خود اپنی حقیقت سے واقف ہو جاؤں۔ اشک فشانی: آنسو بہانے کی حالت۔ اقبال سے: یعنی اپنی ذات / حقیقت سے۔ تمسخر: مذاق۔ واللہ: خدا کی قسم۔

شاعر

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عُضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

گویا: جیسے۔ اعضاء: جمع عضو، جسم کے حصے۔ منزلِ صنعت: کاریگری/دستکاری کا ٹھکانا/شعبہ۔ رَہ پیما: راستہ طے کرنے والے۔ دست و پائے قوم: مراد ایسے لوگ/افراد جو عملی کام انجام دینے والے ہیں۔ محفلِ نظمِ حکومت: حکومت کے انتظامی امور چلانے والے۔ چہرۂ زیبا: خوبصورت چہرہ۔ رنگیں نوا: مراد دل پر اچھا اثر کرنے والے شعر کہنے والا۔ دیدۂ بینا: بصیرت والی نگاہ۔ مبتلائے درد: تکلیف میں گرفتار۔ ہمدرد: دوسروں کی تکلیف کا احساس رکھنے والی۔ کس قدر: مراد بہت/زیادہ۔

دل

قصۂ دار و رَسن بازیِ طفلانۂ دل
التجاے 'اَرِنی' سُرخیِ افسانۂ دل

یا رب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ مُلکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب!
جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل

حُسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مِل جاتا
تُو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

اس کو اپنا ہے جُنوں اور مجھے سَودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل

تُو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل

خاک کے ڈھیر کو اِکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رِہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

قصۂ دار و رَسن: سُولی اور رسّی کی داستان، مراد حضرت حسین بن منصور حلاّج کو "انا الحق" کہنے پر پھانسی دیے جانے کا واقعہ۔ بازیٔ طفلانہ: بچوں کا کھیل، مراد بہت آسان کام۔ "اَرِنی": مجھے اپنا جلوہ دکھا، حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ۔ سُرخی: مضمون کا عنوان۔ لبریز: بھرا ہوا۔ جادہ: راستہ۔ مُلکِ بقا: ہمیشہ باقی/ قائم رہنے والی سلطنت/ مُلک۔ خطِ پیمانۂ دل: مراد دل کی رگیں جن میں خون دوڑتا ہے۔ ابرِ رحمت: کرم/ مہربانی کی بارش کرنے والا بادل۔ مزرعِ ہستی: زندگی/ وجود کی کھیتی۔ گنجِ گراں مایہ: بہت قیمتی خزانہ۔ فرہاد: شیریں کا عاشق، جسے کوہ کن بھی کہا جاتا ہے۔ قدیم ایرانی اساطیر کا ایک کردار۔ عرش: تخت، مراد آسمان سے بھی اوپر نوروں کی دنیا۔ دھوکا: شک۔ کاشانہ: گھر، آشیانہ، محل۔ سودا: دیوانگی، عشق کی مستی۔ دیوانہ: مراد عاشق۔ رشکِ صد سجدہ: سو/ سیکڑوں سجدوں سے بھی بڑھ کر۔ لغزشِ مستانہ: عشق کی مستی میں گر گر کر اُٹھنا۔ خاک کا ڈھیر: معمولی شے، مراد انسان۔ اکسیر: مراد اعلیٰ مرتبہ والی/ والا، اعلیٰ جنس۔ خاکسترِ پروانہ: جلے ہوئے پتنگے کی راکھ۔ دام: جال۔ برق: آسمانی بجلی۔ نخل: درخت۔ ہرا ہونا: سبز ہونا، پھلنا پھولنا۔

موجِ دریا

مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بے تاب مجھے
عینِ ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے

موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے

آب میں مثلِ ہَوا جاتا ہے تَوسن میرا
خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

مَیں اُچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے

ہُوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ پوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگیِ دریا سے گریزاں ہوں مَیں
وسعتِ بحر کی فُرقت میں پریشاں ہوں مَیں

مُضطرب: بے چین۔ عینِ ہستی: مراد حقیقی طور پر زندگی۔ صورتِ سیماب: پارے کی طرح ہر دم ہلتے یا تڑپتے رہنا۔ پایاب: مراد بہت کم گہرا۔ زنجیر: مراد رکاوٹ۔ حلقۂ گرداب: بھنور کا چکر۔ آب: پانی۔ تَوسن: وہ گھوڑا جسے منہ چلایا نہ گیا ہو، سرکش بچھیرا۔ خارِ ماہی: مچھلی کا کانٹا۔ دامن: قمیص کا نچلا حصہ، کنارا۔ جذب: کشش۔ مہِ کامل: چودھویں کا چاند۔ سر کو پٹکنا: سر مارنا۔ زحمت: تکلیف۔ تنگیِ دریا: دریا کا محدود ہونا۔ گریزاں: بھاگنے والی۔ وسعتِ بحر: سمندر کا بہت پھیلے ہوئے ہونا۔

رُخصت اے بزمِ جہاں!

(ماخوذ از ایمرسن)

رُخصت اے بزمِ جہاں! سُوئے وطن جاتا ہوں مَیں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں مَیں

بسکہ مَیں افسردہ دل ہوں، درخورِ محفل نہیں
تُو مرے قابل نہیں ہے، مَیں ترے قابل نہیں

قید ہے دربارِ سُلطان و شبستانِ وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر

گو بڑی لذّت تری ہنگامہ آرائی میں ہے
اجنبیّت سی مگر تیری شناسائی میں ہے

مدّتوں تیرے خود آراؤں سے ہم صحبت رہا
مدّتوں بے تاب موجِ بحر کی صورت رہا

مدّتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں مَیں
روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں مَیں

مدّتوں ڈھونڈا کیا نظّارۂ گُل، خار میں
آہ، وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں
چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اور نظّارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے

چھوڑ کر مانندِ بُو تیرا چمن جاتا ہوں مَیں
رُخصت اے بزمِ جہاں! سُوئے وطن جاتا ہوں مَیں

گھر بنایا ہے سکُوتِ دامنِ کُہسار میں
آہ! یہ لذّت کہاں موسیقیِ گفتار میں
ہم نشینِ نرگسِ شہلا، رفیقِ گُل ہوں مَیں
ہے چمن میرا وطن، ہمسایۂ بُلبل ہوں مَیں
شام کو آواز چشموں کی سُلاتی ہے مجھے
صبح فرشِ سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے

بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دلِ شاعر کو لیکن کُنجِ تنہائی پسند

ہے جُنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں مَیں
ڈھُونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں مَیں؟
شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے
اور چشموں کے کناروں پر سُلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تُو کہ شیدا کُنجِ عُزلت کا ہوں مَیں
دیکھ اے غافل! پیامی بزمِ قُدرت کا ہوں مَیں

ہم وطن شمشاد کا، قُمری کا مَیں ہم راز ہوں
اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں

کچھ جو سنتا ہوں تو اَوروں کو سُنانے کے لیے
دیکھتا ہوں کچھ تو اَوروں کو دِکھانے کے لیے

عاشقِ عُزلت ہے دل، نازاں ہُوں اپنے گھر پہ مَیں
خندہ زن ہُوں مسندِ دارا و اسکندر پہ مَیں

لیٹنا زیرِ شجر رکھتا ہے جادُو کا اثر
شام کے تارے پہ جب پڑتی ہو رہ رہ کر نظر

عِلم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود!
گُل کی پتّی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود

ایمرسن: مشہور امریکی شاعر، فلسفی، مقالہ نگار جو ہر فن مولا تھا (۱۸۰۳ء۔۱۸۸۲ء). بزمِ جہاں: دنیا کی محفل. سُوئے وطن: وطن کی طرف. آباد و ویرانہ: یہ دنیا جو دیکھنے میں آباد ہے لیکن شاعر کا ہم خیال کوئی نہیں. بسکہ: بہت زیادہ. درخورِ محفل: بزم یا دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کے لائق. دربارِ سلطان: مراد حکمران / حکمرانوں کے دربار یا محل. شبستان: رات گزارنے کی جگہ، مراد محل. زنجیرِ طلائی: سونے کی زنجیر، مراد سرکاری، درباری پابندی. ہنگامہ آرائی: مراد دنیا کی رونق، چہل پہل. اجنبیت: غیریت، ناواقف ہونے کی حالت. شناسائی: واقفیت، اپنائیت. خود آرا: مراد خود کو بڑا ظاہر کرنے والے. ہم صحبت: پاس اُٹھنے بیٹھنے والا. موجِ بحر: سمندر کی لہر / لہریں. صورت: مانند. ہنگامۂ عشرت: مراد عیش و عشرت کی محفلیں. ظلمت: تاریکی. ڈھونڈا کیا: تلاش

کرتا رہا۔نظارۂ گل: پھول کو دیکھنے کی کیفیت۔خار: کانٹا۔یوسف: مراد محبوب، حسین، حضرت یوسفؑ کو بیچا گیا تھا۔ہاتھ آنا: ملنا، حاصل ہونا۔بازار: مراد خود دنیا۔چشمِ حیراں: حیرانی میں ڈوبی ہوئی نگاہ۔طوفان کا مارا: مراد ٹھوکروں پر ٹھوکر کھا کر بھی مقصد حاصل نہ کر سکا۔بُو: خوشبو۔چمن: مراد دنیا۔دامنِ کہسار: پہاڑ کی وادی۔موسیقیٔ گفتار: باتوں کی سُر تال یعنی باتیں۔ ہم نشیں: ساتھ بیٹھنے والا۔نرگسِ شہلا: ایک زرد یا سیاہ رنگ کا پھول جس کی شکل آنکھ سے ملتی جلتی ہے۔رفیقِ گل: پھول/پھولوں کا دوست یا ساتھی۔فرشِ سبز: مراد سبزہ۔کوئل: سیاہ رنگ کا خوش آواز پرندہ۔محفل آرائی: بزم سجانا، باہم مل بیٹھنا۔کنجِ تنہائی: ایسی الگ تھلگ جگہ جہاں کوئی اور نہ ہو۔ آبادی: یعنی جہاں انسان چلتے پھرتے ہیں۔کس کو: سوال ہے جس کا جواب ہے ''خالق کائنات'' کو۔شوق: عشق۔سبزہ زار: جہاں سبزہ بہت ہو۔طعنہ زن: طعنے مارنے والا۔شیدا: محبت کرنے والا۔کنج: کونا۔عزلت: تنہائی۔ پیامی: پیغام لے جانے والا، قاصد۔بزمِ قدرت: مراد کائنات میں قدرت کے مظاہر۔ہم وطن: ایک ہی شہر/ملک کے باشندے۔شمشاد: سرو کی طرح کا لمبا درخت۔قُمری: فاختہ۔ہمراز: ایک دوسرے کے بھید جاننے والے۔گوش بر آواز: کان لگا کر بات سننے پر تیار۔نازاں: فخر کرنے والا۔خندہ زن: ہنسی/مذاق اُڑانے والا۔مسند: مراد تخت۔دارا: ایران کا قدیم بادشاہ جسے سکندر اعظم نے شکست دی تھی۔سکندر: سکندر اعظم/یونانی، یعنی کوئی بھی عظیم بادشاہ۔زیرِ شجر: درخت کے نیچے۔جادو کا اثر رکھنا: مراد آدمی پر پُرکیف حالت طاری کرنا۔رہ رہ کر: بار بار۔علم کا حیرت کدہ: مراد فلسفہ کہ فلسفی کائنات پر حیران تو ہوتا ہے لیکن اس کے بھید اور حقیقت کو نہیں پا سکتا۔رازِ ہست و بود: مراد کائنات/موجودات کی حقیقت/بھید۔

طفلِ شیر خوار

میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاّتا ہے تُو
مہرباں ہوں مَیں، مجھے نامہرباں سمجھا ہے تُو
پھر پڑا روئے گا اے نووارِدِ اقلیمِ غم
چبھ نہ جائے دیکھنا! باریک ہے نوکِ قلم
آہ! کیوں دُکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے
کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے، یہ بے آزار ہے
گیند ہے تیری کہاں، چینی کی بلّی ہے کدھر؟
وہ ذرا سا جانور ٹُوٹا ہوا ہے جس کا سر
تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو
آنکھ کُھلتے ہی چمک اُٹھا شرارِ آرزو
ہاتھ کی جنبش میں، طرزِ دید میں پوشیدہ ہے
تیری صورت، آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے
زندگانی ہے تری آزادِ قیدِ امتیاز
تیری آنکھوں پر ہوَیدا ہے مگر قُدرت کا راز

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے، چلّاتا ہے تُو

کیا تماشا ہے رَدی کاغذ سے مَن جاتا ہے تُو

آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں مَیں بھی ترا

تُو تلوّن آشنا، مَیں بھی تلوّن آشنا

عارضی لذّت کا شیدائی ہوں، چلّاتا ہوں مَیں

جلد آ جاتا ہے غصہ، جلد مَن جاتا ہوں مَیں

میری آنکھوں کو لُبھا لیتا ہے حُسنِ ظاہری

کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری

تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں مَیں بھی ہوں

دیکھنے کو نوجواں ہُوں، طفلِ ناداں مَیں بھی ہوں

طفلِ شیر خوار: دودھ پیتا بچہ۔ چلاّنا: زور سے رونا۔ مہرباں: محبت کرنے والا۔ نامہرباں: جو شفقت سے کام نہ لے۔ نووارد: نیا نیا داخل ہونے/ آنے والا۔ اقلیمِ غم: دکھوں کا ملک، مراد دنیا۔ نوکِ قلم: قلم کا چبھنے والا باریک سرا۔ بے آزار: جس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چینی کی بلّی: بلّی کی شکل میں بنا ہوا چینی کا کھلونا۔ آزاد: مراد پاک، صاف۔ غبارِ آرزو: تمناؤں کی گرد۔ آنکھ کھلتے ہی: مراد ذرا ہوش سنبھالتے ہی۔ شرارِ آرزو: خواہش کی چنگاری۔ جنبش: حرکت، ہلنے کی حالت۔ طرزِ دید: دیکھنے کا انداز۔ پوشیدہ: چھپی ہوئی۔ تیری صورت: تیری طرح۔ نوزائیدہ: نئی نئی پیدا ہوئی۔ آزادِ قیدِ امتیاز: مراد لوگوں میں فرق کرنے کی قید/ عادت سے بَری۔ ہویدا: ظاہر، کھلا۔ مگر: شاید۔ بگڑ کر: ناراض ہو کر۔ چلاّتا ہے: روتا ہے۔ مَن جانا: راضی ہو جانا۔ کیا تماشا ہے: عجیب بات ہے۔ ہم آہنگ: ایک جیسے خیال کا۔ تلوّن آشنا: جس کا مزاج ہر پَل بدلتا رہے۔ عارضی: وقتی، پل دو پل کی۔ شیدائی: عاشق۔ لبھا لینا: پھانس لینا، عاشق بنا لینا۔ حسنِ ظاہری: مراد چہرے مُہرے کی خوبصورتی۔ نادانی: ناسمجھی۔ گاہ: کبھی۔ گریاں: روتی ہوئی۔ خنداں: ہنستی ہوئی۔ تیری صورت: تیری طرح۔ طفلِ ناداں: کم عقل بچہ۔

تصویرِ درد

نہیں منّت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری
یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
اُٹھائے کچھ وَرق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بِکھری ہوئی ہے داستاں میری
اُڑا لی قُمریوں نے، طُوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مِل کر لُوٹ لی طرزِ فُغاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں، حسرت بھری ہے داستاں میری
الٰہی! پھر مزا کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیاتِ جاوداں میری، نہ مرگِ ناگہاں میری!

مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گُل ہوں مَیں، خزاں ہر گُل کی ہے گویا خزاں میری

''دریں حسرت سرا عمریست افسونِ جرس دارم
☆
ز فیضِ دل تپیدن ہا خروشِ بے نفَس دارم''

ریاضِ دہر میں ناآشنائے بزمِ عشرت ہُوں
خوشی روتی ہے جس کو، مَیں وہ محرومِ مسرّت ہُوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روتی ہے گویائی
مَیں حرفِ زیرِ لب، شرمندۂ گوشِ سماعت ہُوں
پریشاں ہوں میں مُشتِ خاک، لیکن کچھ نہیں کھُلتا
سکندر ہُوں کہ آئینہ ہُوں یا گردِ کدورت ہُوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قُدرت کا
سراپا نور ہو جس کی حقیقت، مَیں وہ ظلمت ہُوں
خزینہ ہوں، چُھپایا مجھ کو مُشتِ خاکِ صحرا نے
کسی کو کیا خبر ہے مَیں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں!
نظر میری نہیں ممنونِ سیرِ عرصۂ ہستی
مَیں وہ چھوٹی سی دُنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہُوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں، نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
مَیں اس مے خانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہُوں

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دِکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہُوا رنگیں بیانوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں

اثر یہ بھی ہے اک میرے جُنونِ فتنہ ساماں کا
مرا آئینۂ دل ہے قضا کے راز دانوں میں

رُلاتا ہے ترا نظّارہ اے ہندوستاں! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں

نشانِ برگِ گُل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں!
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

چُھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردُوں نے
عنادِل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

سُن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دَھرا کیا ہے بھلا عہدِ کُہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک؟ لذّتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تُو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مِٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے

ہوَیدا آج اپنے زخمِ پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ درد آشنا پیدا
چمن میں مُشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے، تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغلِ سینہ کاوی میں
کہ مَیں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

دِکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کرکے چھوڑوں گا

جو ہے پردوں میں پنہاں، چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کِیا رفعت کی لذّت سے نہ دل کو آشنا تُو نے
گزاری عمر پستی میں مثالِ نقشِ پا تُو نے

رہا دل بستۂ محفل، مگر اپنی نگاہوں کو
کِیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تُو نے

فدا کرتا رہا دل کو حَسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تُو نے

تعصّب چھوڑ ناداں! دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تُو نے

سراپا نالۂ بیدادِ سوزِ زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھّی ہے صدا تو نے

صفائے دل کو کیا آرائشِ رنگِ تعلّق سے
کفِ آئینہ پر باندھی ہے او ناداں! حنا تُو نے

زمیں کیا، آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تُو نے!

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل!
بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تُو نے
کنویں میں تُو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل! جو مُطلق تھا مقیّد کر دیا تُو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

دِکھا وہ حُسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پُرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو، رُلواتا ہے شبنم کو
ذرا نظّارہ ہی اے بُوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشمِ آدم کو
اگر دیکھا بھی اُس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نِکلواتا ہے آدم کو
نہ اُٹھا جذبۂ خورشید سے اک برگِ گُل تک بھی
یہ رفعت کی تمنّا ہے کہ لے اُڑتی ہے شبنم کو
پھرا کرتے نہیں مجروحِ اُلفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طُور ہوتا ہے

دوا ہر دُکھ کی ہے مجروحِ تیغِ آرزو رہنا
علاجِ زخم ہے آزادِ احسانِ رفو رہنا

شرابِ بے خودی سے تا فلک پرواز ہے میری
شکستِ رنگ سے سیکھا ہے مَیں نے بن کے بُو رہنا

تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشمِ شاعر کی ہے ہر دم باوضو رہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گُل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

جو تُو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تُو رہنا

یہ استغنا ہے، پانی میں نِگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیے مثلِ حبابِ آبجو رہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پروا، اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دُنیا میں او بیگانہ خُو! رہنا

شرابِ رُوح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سِکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبُو رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کِیا ہے اپنے بختِ خُفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت دشتِ غربت بھی، وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے، صحرا بھی
جرَس بھی، کارواں بھی، راہبر بھی، راہزن بھی ہے

مرَض کہتے ہیں سب اس کو، یہ ہے لیکن مرَض ایسا
چُھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کُہَن بھی ہے

جَلانا دل کا ہے گویا سراپا نُور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حُسن ہے، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا، بیستُوں بھی، کوہکن بھی ہے

اُجاڑا ہے تمیزِ مِلّت و آئیں نے قوموں کو
مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟

سکُوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے مُنہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

"نمی گردید کوتہ رشتۂ معنیٰ رہا کردم
حکایت بود بے پایاں، بخاموشی ادا کردم"

☆☆

منّت کش: احسان اٹھانے والی۔تابِ شنیدن: سننے کی طاقت۔ بے زبانی: کچھ نہ بولنے کی کیفیت۔دستور: طریقہ، قانون۔زباں بندی: بولنے پر پابندی۔ورق: کتاب کے صفحے،پتیاں۔لالے: لالہ،مشہور سُرخ پھول۔ نرگس: آنکھ سے ملتا جلتا زرد رنگ کا پھول۔گُل: مراد گلاب۔اُڑالی: چُرالی۔قمریوں: جمع قُمری، فاختاؤں۔ طوطیوں: جمع طوطی،طوطے۔عندلیبوں: جمع عندلیب،بلبلوں۔طرزِ فغاں: فریاد کرنے کا انداز۔ٹپک: قطرے بن کے نیچے گر۔سراپا: پورے طور پر۔حسرت بھری: افسوس سے پُر۔حیاتِ جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی۔ پھر مزا کیا ہے: یعنی کوئی لطف نہیں۔مرگِ ناگہاں: اچانک کی موت۔خزاں: پت جھڑ کا موسم۔ریاضِ دہر: زمانے کا باغ، دنیا۔بزمِ عشرت: عیش ونشاط کی محفل۔مسرّت: خوشی۔گویائی: بولنے کی قوت۔بگڑی ہوئی تقدیر: بدقسمتی۔حرفِ زیرِلب: وہ بات جو منہ سے نہ نکلی ہو۔شرمندۂ گوشِ ساعت: سننے والے کانوں سے شرمندہ ہونے والی، کیونکہ بات منہ ہی سے نہیں نکلی تو کان کیسے سنیں۔ پریشاں: بکھرا ہوا،بکھری ہوئی۔مشتِ خاک: مٹی کی مٹھی۔سکندر: سکندر مقدونی،مشہور یونانی فاتح (ولادت ۳۵۵ قم وفات ۳۲۳ قم) کہتے ہیں اس نے آئینہ ایجاد کیا تھا۔گرد و کدورت: مراد مادیت کا غبار۔ہستی: زندگی، وجود۔مقصد: غرض۔حقیقت: اصلیت۔ ظلمت: تاریکی، اندھیرا۔خزینہ: خزانہ۔ممنونِ سیر: مراد دیکھنے/ نظارہ کرنے کا احسان اٹھانے والی۔عرصۂ ہستی: زندگی/وجود کا میدان، کائنات۔ولایت: مملک، حکومت۔صہبا: شراب۔ساقی: شراب پلانے والا۔مستی: شراب کا نشہ۔ پیمانہ: شراب کا جام۔میخانۂ ہستی: زندگی/وجود کا شراب خانہ، یہ دنیا۔رازِ دو عالم: دونوں دنیاؤں کا بھید/ حقیقت۔عطا ہوا: مراد خدا کی طرف سے ملا۔بیاں: مراد شاعری۔رنگیں بیان: مراد دلکش شعر کہنے والا۔بامِ عرش: عرش کی چھت۔طائر: پرندہ۔ہم زبان: مراد ساتھی۔جنونِ فتنہ ساماں: دل میں ہنگامہ برپا کر دینے والی دیوانگی یعنی عشق۔آئینۂ دل: ایسا دل جس پر قدرت کے راز ظاہر ہوتے ہیں۔قضا: خدائی حکم، قدرت۔رازداں: بھیدوں سے واقف۔نظارہ: مراد اس وقت کی سیاسی صورتِ حال۔رُلاتا ہے: یعنی بہت دکھ پہنچاتا ہے۔عبرت خیز: مراد دردناک جس سے دوسروں کو تنبیہ ہو۔کلکِ ازل: قدرت کا قلم۔نوحہ خواں: مرثیہ پڑھنے والا، ماتم کرنے والا۔برگِ گل: پھول کی پتی، مراد معمولی سے معمولی چیز۔نہ چھوڑ: یعنی لوٹ لے۔گل چیں: پھول توڑنے والا، مراد انگریز حکمران۔باغ: مراد ہندوستان / برصغیر۔بڑی قسمت سے: مراد تیری خوش بختی ہے کہ۔رزم آرئیاں: لڑائی جھگڑے فسادات۔باغبانوں: جمع باغبان، مالی، مراد برصغیر کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلم۔آستیں: قمیص، کرتے کی باہیں۔بجلیاں: جمع بجلی مراد تباہی کے سامان۔گردوں: آسمان۔عنادل: جمع عندلیب، بلبل، مراد وہی قومیں۔آشیانوں: جمع آشیانہ، گھونسلے، مراد اپنی اپنی جگہ۔وظیفہ: ہر روز پڑھی جانے والی تسبیح۔بوستان: باغ۔مصیبت آنے والی ہے: مراد ملک کے حالات تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

عہدِ کہن: پرانا دور/ زمانہ۔ **داستان:** اشارہ ہے مسلم ہندو اختلافات کی طرف۔ **دھرا کیا ہے:** کیا فائدہ ہے۔
لذتِ فریاد: پُر اثر انداز میں دل کا درد بیان کرنا۔ **اُسلوبِ فطرت:** قدرت کا طریقہ/ انداز۔ **گامزن:** چلنے والا۔ **محبوب:** پیارا، عزیز۔ **ہویدا:** ظاہر۔ **زخمِ پنہاں:** ملکی حالات کے سبب دل کو پہنچنے والا پوشیدہ دکھ۔ **لہو رونا:** خون کے آنسو رونا جو انتہائی غم کی علامت ہے۔ **گلستاں:** سُرخ گلاب کے پھولوں کا باغ۔ **سوزِ پنہاں:** دل کی تپش۔ **ہر شمعِ دل:** یعنی ہر ہم وطن کا دل۔ **مگر:** ممکن ہے۔ **صورت:** مانند۔ **دردآشنا:** درد کے لطف/ مزے سے باخبر۔ **مشتِ خاک:** مٹھی بھر خاک۔ **پریشاں کرنا:** بکھیرنا۔ **ایک ہی تسبیح میں پرونا:** مراد ان فرقوں/ قوموں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنا۔ **بکھرے دانے:** مراد مختلف فرقوں کی صورت۔ **ہم نشیں:** ساتھی۔ **شغل:** مشغلہ، کام۔ **سینہ کاوی:** سینہ کھرچنا، انتہائی دکھ کی حالت۔ **داغ:** زخم۔ **صورتِ آئینہ:** آئینے کی طرح۔ **پردہ:** اوٹ۔ **چشمِ بینا:** بصیرت کی آنکھ۔ **تقاضا:** ضرورت، خواہش۔ **رفعت:** بلندی۔ **پستی:** ذلت۔ **نقشِ پا:** مٹی پر پاؤں کے پڑنے والے نشان۔ **دل بستۂ محفل:** صرف بزم عیش سے دلچسپی رکھنے والا۔ **بیرونِ محفل:** گھر سے باہر یعنی ملکی حالات۔ **حیرت آشنا:** مراد حیران پریشان ہونے والا۔ **ادا:** طور طریقہ۔ **تعصب:** بے جا حمایت۔ **ناداں:** ناسمجھ، کم عقل۔ **دہر:** زمانہ۔ **آئینہ خانہ:** ایسا گھر جس کی دیواروں پر آئینے لگے ہوں۔ **سراپا:** پوری طرح۔ **نالہ:** فریاد۔ **سوزِ زندگی:** زندگی کی حرارت جس سے انسان میں قوتِ عمل پیدا ہوتی ہے۔ **سپند آسا:** کالے دانے کی طرح۔ **گرہ میں باندھ رکھنا:** سنبھال رکھنا۔ **صفائے دل:** دل کی پاکیزگی۔ **آرائش:** سجاوٹ، رونق۔ **رنگِ تعلق:** دنیاوی تعلقات کا رنگ۔ **کفِ آئینہ پر حنا باندھنا:** بے فائدہ قسم کا کام کرنا۔ **کج بینی:** مراد غلط باتیں سوچنا۔ **غضب ہے:** دکھ کی بات ہے۔ **سطرِ قرآں:** مراد قرآنی آیات۔ **چلیپا کر دیا:** مراد باطل کر دیا (چلیپا: صلیب کی صورت جو عیسائی اپنے گلے میں ڈالتے ہیں)۔ **توحید کا دعویٰ:** خدا کی وحدت پر ایمان کا پُرزور اظہار۔ **بتِ پندار:** غرور/ تکبر کا بت۔ **یوسف:** حضرت یوسفؑ جن کو ان کے بھائی کنوئیں میں چھوڑ گئے تھے۔ **مُطلق:** مراد ہر قسم کی شرط وغیرہ سے آزاد۔ **مقید:** قید کیا گیا، قیدی۔ **ہوس:** لالچ، حرص۔ **بالائے منبر:** منبر کے اوپر، مسجد میں وعظ کہنے کی جگہ پر۔ **رنگیں بیانی:** لچھے دار باتیں کرنا۔ **صورت:** شکل، مثال۔ **افسانہ خوانی:** کہانی پڑھنا یعنی سنانا۔ **حُسنِ عالم سوز:** دنیا کو جلا ڈالنے والا حُسن۔ **چشمِ پُرنم:** روتی ہوئی آنکھیں۔ **پروانہ:** پتنگا۔ **رُلوانا:** رُلانا، اوس کے قطرے گرنا۔ **شبنم:** اوس۔ **نِرا:** صرف۔ **بُوالہوس:** بہت لالچی۔ **کسی نے:** مراد خدا نے۔ **چشمِ آدم:** انسان کی آنکھ۔ **عالم:** دنیا۔ **جام:** شراب کا پیالہ۔ **جم:** جمشید، ایرانی بادشاہ جس کے جام میں دنیا نظر آتی تھی۔ **شجر:** درخت۔ **فرقہ آرائی:** مراد فرقہ پرستی۔ **آدم:** مراد حضرت آدمؑ۔ **نہ اُٹھا:** بلند نہ ہوا، اونچا نہ گیا۔ **جذبۂ خورشید:** سورج کی کشش۔ **برگِ گل:** پھول کی پتی/ پتا۔ **مجروحِ اُلفت:** مراد محبت کے مارے ہوئے۔ **درماں:** علاج۔ **مرہم:** دوا، دارو۔ **شرر:** چنگاری۔

ریاضِ طور: طور کا باغ، طور جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ مجروح: زخمی۔ تیغ: تلوار۔ آزادِ احسانِ رفو: زخم میں ٹانکے بھروانے کے احسان سے بچنا۔ شرابِ بیخودی: مدہوشی کی شراب۔ تا فلک: آسمان / آسمانوں تک۔ شکستِ رنگ: رنگ اُڑنا۔ تھمنا: رُکنا۔ دیدۂ گریاں: روتی ہوئی آنکھیں۔ وطن کی نوحہ خوانی: وطن کی غلامی کے غم پر دکھ کا اظہار۔ باوضو: جس کا وضو قائم ہو۔ آشیاں: گھونسلا۔ آہ: افسوس، دکھ کی بات ہے۔ بے آبرو رہنا: ذلت کی زندگی گزارنا۔ پوشیدہ: چھپی ہوئی۔ محبت: مراد اہلِ وطن کی ایک دوسرے سے محبت۔ امتیازِ ما و تُو: مَیں اور تُو میں فرق پیدا کرنا۔ استغنا: کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے کی حالت۔ نگوں: اُلٹا۔ حباب: بلبلہ۔ آبجو: ندی۔ بے پروا: خیال نہ کرنے والا۔ منظور ہے: مراد خواہش ہے۔ او: اے کلمۂ خطاب۔ بیگانہ خو: مراد دوسروں سے غیروں کی طرح ملنے والا۔ شرابِ روح پرور: روح کو تازہ رکھنے والی شراب۔ محبت نوعِ انساں کی: انسانوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔ مست رہنا: بے خودی کی حالت میں رہنا۔ بے جام و سبو: شراب کے پیالے وغیرہ کے بغیر۔ بیمار قومیں: مراد باہم لڑنے جھگڑنے والی قومیں۔ بختِ خفتہ: سویا ہوا نصیب۔ بیدار کرنا: مقدر / نصیب جگانا۔ بیابان: جنگل، ویرانہ۔ دشتِ غربت: پردیس کا جنگل۔ ویرانہ: غیر آباد جگہ۔ قفس: پنجرہ۔ جرس: گھنٹا۔ راہبر: راستہ دکھانے والا۔ راہزن: راہ مار، لٹیرا۔ گردشِ چرخِ کہن: پرانے آسمان کا چکر، مراد نصیبے کا چکر۔ دل کا جلانا: مراد دوسروں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کرنا۔ سراپا نور ہو جانا: پورے طور پر روشنی بن جانا۔ سوزاں: جلتا ہوا، جلنے والا۔ شمعِ انجمن: مراد محفل کی رونق۔ وہی اک حُسن: مراد محبوبِ حقیقی (خدا) کا حُسن۔ شیریں: فرہاد کی محبوبہ۔ بیستون: ایران کا وہ پہاڑ جسے فرہاد نے شیریں کے کہنے پر دودھ کی نہر بہانے کے لیے کھودا تھا۔ کوہکن: پہاڑ کھودنے والا، مراد فرہاد۔ اُجاڑا ہے: تباہ کیا ہے۔ تمیزِ ملت و آئیں: تعصب کی بنا پر مذہب، فرقوں یا وطن میں فرق کرنے کا عمل۔ فکرِ وطن: وطن کی حفاظت کا خیال۔ سکوت آموز: خاموشی سکھانے والا۔ طولِ داستان: کہانی / بات کرنے کی طوالت۔

☆ مدت ہو چلی ہے کہ میں حسرتوں کی اس سرائے، یعنی دنیا، میں گھٹنے کی سی حالت سے دوچار ہوں، اس لیے کہ دل کے تڑپنے سے اٹھنے والی آوازوں کا شور مجھ میں برپا ہے۔ (یہ شعر مرزا بیدل کا ہے)

☆☆ مضمون / باتوں کا سلسلہ ختم ہونے ہی کو نہ آ رہا تھا، داستان بہت طویل تھی اس لیے میں نے وہ خاموشی سے، یعنی خاموش رہ کر، بیان کر دی۔ (یہ شعر نظیری نیشاپوری کا ہے)

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سرزمیں
آ گیا آج اس صداقت کا مرے دل کو یقیں
ظلمتِ شب سے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

"تا ز آغوشِ وداعش داغِ حیرت چیدہ است
ہمچو شمعِ کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است"

کشتۂ عزلت ہوں، آبادی میں گھبراتا ہوں میں
شہر سے سودا کی شدّت میں نکل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں
بہرِ تسکیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں

آنکھ گو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے
اجنبیّت ہے مگر پیدا مری رفتار سے

ذرّہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئنہ ٹُوٹا ہوا، عالم نُما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا، ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی مَیں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہاے آرزو بارید و رفت

۲

تُو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم
تھی تری موجِ نفَس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائیِ صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

"شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائشِ سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند"

۳

کھول دے گا دشتِ وحشت عقدۂ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا مَیں پنجاب کی زنجیر کو
دیکھتا ہے دیدۂ حیراں تری تصویر کو
کیا تسلّی ہو مگر گرویدۂ تقریر کو

"تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو، ہے سخن تصویر کا"

۴

نالۂ فراق: کسی کی جدائی میں رونا۔ **آرنلڈ**: سر ٹامس آرنلڈ۔ اپنے وقت کے فلسفہ کے عظیم پروفیسر ۱۸۹۷ء سے گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ان ہی کے کہنے پر علامہ اقبال نے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۰۴ء میں انگلینڈ چلے گئے۔ **جا بسا**: مقیم ہو گیا۔ **مغرب**: مراد انگلستان۔ **مکیں**: رہنے والا۔ **مشرق کی سر زمیں**: مراد اُس وقت کا پاکستانی علاقہ (لاہور) **ظلمتِ شب**: رات کا اندھیرا۔ **ضیائے روزِ فرقت**: جدائی کے دن کی روشنی۔ **کشتۂ عزلت**: تنہائی کا مارا ہوا۔ **سودا کی شدت**: دیوانگی کا زیادہ ہونا۔ **ایامِ سلف**: گزرے ہوئے دن۔ **دل کو تڑپانا**: بیحد بے چینی میں رہنا۔ **بہرِ تسکیں**: سکون / آرام کی خاطر۔ **جانب**: طرف۔ **گو**: اگرچہ۔ **مانوس**: مراد پہلے سے دیکھا ہوا ہوئے۔ **اجنبیت**: غیریت، ناواقف ہونے کی حالت۔ **میرے دل کا ذرہ**: مرادمیرا ننھا سا دل۔ **خورشید آشنا**: سورج سے واقف یعنی علم کی روشنی سے منور۔ **ٹوٹا ہوا آئینہ**: مراد ٹوٹا ہوا دل۔ **عالم نما**: جس میں دنیا نظر آئے۔ **نخل**: درخت۔ **ہرا ہونا**: سرسبز ہونا، پھل پھول دینے لگنا۔ **کلیمِ ذرۂ سینائے علم**: علم کے طور سینا کا کلیم (کلیم حضرت موسیٰؑ کا لقب) مراد بہت بڑا عالم۔ **موجِ نفس**: سانس کی ہوا۔ **بادِ نشاط افزائے علم**: علم کی مسرت و لذت بڑھانے والی ہوا۔ **شوقِ رہ پیمائی صحرائے علم**: علم کے جنگل میں چلنے کا اشتیاق / تمنا۔ **سودائے علم**: مراد علم سے عشق کا جذبہ۔ **عقدہ**: گرہ۔ **دستِ وحشت**: مراد شوق کی دیوانگی۔ **پنجاب کی زنجیر**: اشارہ ہے گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت کی طرف جو باہر جانے میں رکاوٹ تھی۔ **دیدۂ حیراں**: پھٹی پھٹی نگاہیں۔ **گرویدۂ تقریر**: مراد باتیں سننے کا عاشق۔

۱۔ جب سے اُس نے اس (محبوب) کی جدائی (رخصتی) کی گود سے حیرانی کا زخم چنا یعنی اٹھایا ہے اس وقت سے نگاہ، بجھی ہوئی شمع کی طرح میری آنکھ میں سو گئی ہے (مرزا عبدالقادر بیدل کا شعر)

۲۔ رحمت کے بادل نے میرے باغ سے اپنا پلّو اٹھا لیا (یعنی پوری طرح نہ برسا) اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ میری تمنا کی کلیوں پر برسا اور چلا گیا۔

۳۔ لیلیٰ کا جھ چا کہاں ہے؟ کہ وہ پھر سے دیوانگی کی سجاوٹ کرے یعنی دیوانگی میں اضافہ کرے اور مجنوں کی خاک کو صحرا کے دل کا غبار بنا دے۔ (مرزا بیدل کا شعر)

۴۔ تصویر کے منہ / زبان میں بولنے کی طاقت نہیں ہے۔ جس چیز کو خاموشی کہتے ہیں وہی تصویر کا باتیں کرنا ہے۔ (امیر مینائی کا شعر ہے)

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دُور ہے تیرا وطن
ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موجزن

قصد کس محفل کا ہے؟ آتا ہے کس محفل سے تُو؟
زرد رُو شاید ہُوا رنجِ رہِ منزل سے تُو

آفرینش میں سراپا نور تُو، ظلمت ہُوں میں
اس سیہ روزی پہ لیکن تیرا ہم قسمت ہُوں میں

آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دید سے
تُو سراپا سوز داغِ منّتِ خورشید سے

ایک حلقے پر اگر قائم تری رفتار ہے
میری گردش بھی مثالِ گردشِ پَرکار ہے

زندگی کی رہ میں سرگرداں ہے تُو، حیراں ہوں مَیں
تُو فروزاں محفلِ ہستی میں ہے، سوزاں ہوں مَیں

مَیں رہِ منزل میں ہُوں، تُو بھی رہِ منزل میں ہے
تیری محفل میں جو خاموشی ہے، میرے دل میں ہے

تُو طلب خُو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے نور تیرا، عشق میرا نور ہے

انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تُو، تنہا ہوں مَیں

مہر کا پرتَو ترے حق میں ہے پیغامِ اجل
محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوۂ حُسنِ ازل

پھر بھی اے ماہِ مبیں! مَیں اور ہوں تُو اور ہے
درد جس پہلو میں اُٹھتا ہو، وہ پہلو اور ہے

گرچہ مَیں ظلمت سراپا ہوں، سراپا نور تُو
سیکڑوں منزل ہے ذوقِ آگہی سے دُور تُو

جو مری ہستی کا مقصد ہے، مجھے معلوم ہے
یہ چمک وہ ہے، جبیں جس سے تری محروم ہے

کوسوں دُور: یعنی ہزاروں میل دُور۔ تیرا وطن: مراد چاند کی آسمانی منزل۔ دریائے دل: دل کا سمندر، مراد دل۔ موجزن: جوش مارنے والا۔ کشش: اپنی طرف کھینچنا، رغبت۔ قصد: ارادہ۔ زردرُو: پیلے چہرے والا۔ رنجِ رہِ منزل: ٹھکانے کے راستے میں پہنچنے والی تکلیف۔ آفرینش: پیدائش/ جسمانی لحاظ سے۔ سراپا نور: مکمل روشنی۔ ظلمت: تاریکی، سیاہی۔ سیہ روزی: تاریک دن والا ہونا، بدقسمت۔ ہم قسمت: ایک سی قسمت/ مقدر والا۔

بلالؓ

چمک اُٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبَش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستاں نہ چُھٹا تجھ سے ایک دَم کے لیے
کسی کے شوق میں تُو نے مزے ستم کے لیے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیمؑ سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید

☆ خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید

گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر

کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰؑ پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بر دلِ تو زدند

☆☆ چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصلِ تو زدند!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی

نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثربِ مقام تھا اس کا

خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

بلالؓ: حضرت بلالؓ کنیت ابو عبداللہ، حبشی غلام تھے۔ ولادت مکہ میں ہوئی۔ اسلام قبول کرنے پر ان کے آقا نے ان پر ظلم ڈھائے۔ حضور اکرمؐ سے بےحد عقیدت تھی۔ مسجدِ نبوی میں اذان وہی دیا کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد شام چلے گئے جہاں ۶۴۱ء میں فوت ہوئے۔ چمک اُٹھا: روشن ہوا۔ حبش: افریقہ کا علاقہ، باشندوں کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ حجاز: عرب (سعودی عرب) کا مشہور صوبہ۔ اُٹھا کر لانا: مراد پہنچانا۔ غمکدہ: دکھوں کا گھر، دل۔ آبادی: مراد دکھ دور ہوئے۔ آستاں: چوکھٹ، مراد حضور اکرمؐ کا در مبارک۔ دَم: پل، گھڑی کسی کے: مراد حضور اکرمؐ کے۔ جفا: سختی۔ صورتِ سلمانؓ: حضرت سلمانؓ فارسی کی مانند، جو حضور اکرمؐ کے مشہور صحابی تھے۔ حضورؐ نے انہیں "سلیمان الخیر" کا لقب دیا تھا۔ ۶۵۳ء بمقام مدائن فوت ہوئے۔ دید: نظارہ،

محبوب کا دیدار۔ پیاس بڑھنا: مراد حضورؐ سے محبت میں زیادہ اضافہ ہوا۔ مثلِ کلیم: حضرت موسیٰؑ کی طرح، جنھوں نے خدا سے اپنا جلوہ دکھانے کی درخواست کی تھی۔ سودا: مراد شوق و جذبہ۔ اویسؓ: حضرت اویس قرنیؓ۔ حضور اکرمؐ کے نادیدہ عاشق، حضورؐ نے انھیں ''خیر التابعین'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ۶۵۷ء میں شہید ہوئے۔ طاقتِ دیدار: حضورؐ کے دیدار کو برداشت کرنے کی ہمت۔ ترستا تھا: مراد انھیں شدید خواہش تھی۔ نگاہوں کا نور: آنکھوں کی روشنی، مراد بیحد عزیز۔ طور: طورِ سینا جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدائی جلوہ نظر آیا۔ حسرت: افسوس، مراد شدید آرزو۔ برق: آسمانی بجلی۔ جانِ ناشکیبا: عشق کے سبب بے صبر روح۔ خندہ زن: ہنسی/ مذاق اُڑانے والی۔ دستِ موسیٰؑ: حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ، جب وہ جیب سے باہر نکالتے تو وہ بہت روشن ہوتا۔ ادائے دید: دیکھنے/ نظارہ کرنے کا انداز۔ سراپا نیاز: پورے طور پر عاجزی/ انکسار۔ کسی کو: مراد حضور اکرمؐ کو۔ نماز: مراد عبادت۔ ازل: مراد شروع ہی سے۔ اس کے: مراد حضور اکرمؐ کے۔ خوشا: بہت اچھا۔ یثرب: مدینہ منورہ کا پرانا نام۔ مقام: ٹھکانے/ رہنے کی جگہ۔ اس کا: حضور اکرمؐ کا۔ دیدارِ عام: مراد ہر کوئی حضورؐ کو دیکھ لیتا تھا۔

☆ وہ دل بڑا مبارک ہے جو تڑپا اور ایک پل کو بھی نہ ٹھہرا یعنی جذبۂ عشق سے تڑپتا رہا

☆☆ (قضا و قدر نے) شعلے سے حرارت لی اور اسے تیرے دل پر مارا یعنی دل میں جذبۂ عشق پیدا کیا، تجلی کی کیسی بجلی تیری فصل کی خاشاک پر گرائی گئی۔

سرگزشتِ آدم

سُنے کوئی مِری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصّۂ پیمانِ اوّلیں میں نے

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے

رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دِکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے

مِلا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
کِیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے

نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بُتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے

کبھی میں ذوقِ تکلّم میں طُور پر پہنچا
چُھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کِیا فلک کو سفر، چھوڑ کر زمیں میں نے

کبھی میں غارِ حرا میں چُھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے

سُنایا ہند میں آ کر سرُودِ ربّانی
پسند کی کبھی یوناں کی سر زمیں میں نے

دیارِ ہند نے جس دَم مری صدا نہ سُنی
بسایا خطۂ جاپان و مُلکِ چیں میں نے

بنایا ذرّوں کی ترکیب سے کبھی عالَم
خلافِ معنیِ تعلیمِ اہلِ دِیں میں نے

لہو سے لال کِیا سیکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دِیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

ڈرا سکِیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سِکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کِیا زمانے پر
لگا کے آئنۂ عقلِ دُوربیں میں نے

کِیا اسیر شعاعوں کو، برقِ مُضطر کو
بنا دی غیرتِ جنّت یہ سر زمیں میں نے

مگر خبر نہ مِلی آہ! رازِ ہستی کی
کِیا خرد سے جہاں کو تہِ نگیں میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اُسے مکیں میں نے

سرگزشت: واقعہ، کہانی۔ آدم: حضرت آدمؑ، انسان۔ غربت: پردیس یا سفر میں رہنے کی حالت۔ پیمانِ اوّلیں: وہ عہد جو انسان سے عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں سورہ ۷، آیہ ۱۷۲ میں ہے۔ طبیعت لگنا: دل لگنا، دل کو پسند آنا۔ ریاض: باغ۔ شعور: عقل، تمیز۔ جامِ آتشیں: عشق کا جوش و جذبہ پیدا کرنے والا جام۔ حقیقتِ عالم: کائنات کی اصل، کائنات کیا ہے؟ جستجو: تلاش۔ اوج: بلندی۔ خیالِ فلک نشیں: مراد بہت بلند خیال۔ تغیر پسند: ہر گھڑی کوئی تبدیلی چاہنے والا۔ قرار: مراد آرام ٹھکانا۔ زیرِ فلک: مراد دنیا میں۔ پتھر کی مُورتیں: پتھر کے بنے ہوئے بُت۔ حرم نشیں: مراد کعبہ میں رکھے ہوئے۔ ذوقِ تکلّم: کلام/بات کرنے کا جذبہ حضرت موسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے خدا سے کلام کیا اور کلیم اللہ کہلائے۔ نورِ ازل: حضرت موسیٰؑ کے "یدِ بیضا" کی طرف اشارہ ہے جب وہ اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکالتے تو وہ بہت روشن ہوتا۔ آستیں: قمیص کا وہ حصہ جس میں بازو ہوتا ہے۔ صلیب: پھانسی کا تختہ، حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے جنھیں صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ فلک کو سفر کرنا: مراد عیسیٰؑ جو آسمان پر زندہ اُٹھا لیے گئے تھے۔ مُیں: یعنی حضور اکرمؐ۔ غارِ حرا: وہ غار جہاں حضور اکرمؐ بہت عرصہ عبادت میں مصروف رہے۔ جامِ آخریں: مراد دینِ اسلام، ایک مکمل دین۔ ہند: ہندوستان۔ سرودِ ربّانی: خدائی ترانہ۔ مُیں: مراد افلاطون۔ سرزمین: مُلک۔ دیار: مُلک۔ مری صدا: میرا یعنی

مہاتما بدھ کا پیغام۔ خطہ: علاقہ، ملک۔ ذرّوں کی ترکیب: حضرت عیسیٰؑ سے چار صدی قبل کے فلسفی دیم قراطیس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ کائنات مادے کے ذروں سے مل کر بنی ہے اور خدا نہیں ہے۔ عالم: کائنات۔ خلاف معنیِ تعلیم اہلِ دیں: مذہبی راہنماؤں نے مذہب کا جو تصور دیا اس کے برعکس۔ میں: مراد دیم قراطیس۔ لہو سے لال کرنا: جنگ یا فساد سے انسانی خون زمین پر بہانا۔ سیکڑوں زمینیں: بہت سے ملک۔ چھیڑ کے: شروع کر کے۔ پیکارِ عقل و دیں: عقل اور مذہب کی لڑائی جو وسطی زمانوں میں عیسائیوں اور فلسفیوں کے درمیان رہی۔ کلیسا کے مطابق رومن کیتھولک یعنی عیسائی حق پر ہیں اور یونانی فلسفہ عقل کو درست کہتا تھا۔ حقیقت: اصلیت، یعنی وہ کیا ہیں۔ راتیں گزار دیں: یعنی سونے کی بجائے مدتوں رات رات بھر جاگنے کی کوشش میں جاگتا رہا۔ میں: مراد ہیئت دان گلیلیو (۱۵۶۴ء۔۱۶۴۲ء)۔ کلیسا: مراد عیسائی مذہبی رہنما۔ مسئلۂ گردشِ زمیں: یہ سائنسی مسئلہ کہ زمین ساکن نہیں بلکہ حرکت میں رہتی ہے۔ میں: مراد نکولس کوپرنیکس جس نے یہ نظریہ پیش کیا۔ کشش: نیوٹن (۱۶۴۲ء۔۱۷۲۷ء) کا پیش کردہ نظریہ کہ زمین اشیا کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ہویدا کرنا: ظاہر کرنا۔ عقلِ دُور بیں: دور تک دیکھنے والی عقل۔ اسیر: قید، گرفتار۔ برقِ مضطر: بے چین بجلی۔ مراد ایکس ریز۔ میں: مراد ولیم کولراڈ رنٹگن (۱۸۴۵ء۔۱۹۲۳ء) اور مائیکل فراڈے (۱۷۹۱ء۔۱۸۶۷ء)۔ غیرتِ جنت: جو جنت کے لیے باعثِ رشک ہو۔ یہ سرزمین: یہ دنیا۔ خبر نہ ملی: ظاہر نہ ہوا۔ رازِ ہستی: زندگی / کائنات کا بھید / حقیقت۔ خرد: عقل، علم و فلسفہ۔ تہِ نگیں کرنا: اپنا ماتحت بنانا۔ چشمِ مظاہر پرست: کائنات کی ظاہری چیزیں دیکھنے والی آنکھ۔ وا ہونا: کھلنا۔ خانۂ دل: یعنی دل میں۔ مکیں: رہنے والا۔ اُسے: یعنی خدا کو۔

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

غُربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی، دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دَم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سِکھاتا آپس میں بَیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مِٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مِٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دَورِ زماں ہمارا

اقبالؔ! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

ترانۂ ہندی: ہندوستانی گیت۔ گُلستاں: باغ۔ غُربت: پردیس۔ پربت: پہاڑ۔ آسماں کا ہمسایہ: مراد بہت اونچا۔ گودی: گود، مراد وادی۔ کھیلتی ہیں: یعنی بہہ رہی ہیں۔ گلشن: پھولوں کا باغ۔ دَم: وجہ، باعث۔ رشکِ جناں: (جس کی خوبصورتی) جنّتوں کے لیے رشک کا باعث ہے۔ آب: پانی۔ رودِ گنگا: دریائے گنگا، ہندوؤں کا مقدس دریا جو بھارت کے کئی شہروں سے گزر کر خلیج بنگال (مشرقی بنگال) میں گرتا ہے۔ کارواں اترنا: قافلہ کا کسی جگہ پڑاؤ کرنا۔ بَیر: دشمنی۔ یونان و مصر و روما: مراد ان ملکوں کی قدیم و عظیم تہذیبیں۔ نام و نشاں: مراد تہذیب اور وجود۔ دَورِ زماں: زمانے کی گردش۔ محرم: واقفِ حال، اپنا۔ دردِ نہاں: چھپا ہوا دُکھ۔

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کِرن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غُربت میں آکے چمکا، گمنام تھا وطن میں
تُکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرّہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں
حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قُدرت خَلوت سے انجمن میں
چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
رنگیں نوا بنایا مُرغانِ بے زباں کو
گُل کو زبان دے کر تعلیمِ خامشی دی
نظّارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی
رنگیں کِیا سحَر کو بانکی دُلھن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
سایہ دیا شجَر کو، پرواز دی ہَوا کو
پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ، یاں درد کی کسک ہے
اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بُوئے بُلبل، بُو پھول کی چہک ہے

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جبکہ پنہاں خاموشیِ ازل ہو

جگنو: رات کو اُڑنے والا کیڑا جس میں سے روشنی نکلتی ہے۔ کاشانہ: گھر، محل۔ مہتاب: چاندنی، چاند۔ شب: رات۔ سفیر: کسی ملک کا ایلچی۔ غربت: پردیس۔ تکمہ: بٹن۔ پیرہن: لباس، قمیص۔ حُسنِ قدیم: مراد قدرت کا حسن جو ازل سے ہے۔ جھلک: چمک۔ ظلمت: تاریک، اندھیرا۔ گہن: گرہن، وہ دھبا جو کسی خاص وقت میں چاند یا سورج کو لگتا ہے۔ طالب: مانگنے والا۔ سراپا: پورے طور پر۔ دلبری: پیارا ہونا۔ تپش: تڑپ۔ رنگیں نوا: مراد دل کو بھانے والی آواز۔ مرغان: جمع مرغ، پرندے۔ گل: پھول۔ زبان: پتی جو زبان سے ملتی جلتی ہے۔ شفق: وہ سُرخی جو صبح وشام کے وقت آسمان پر نظر آتی ہے۔ زوال: اُتار، دن کا ڈھلنا۔ پری: مراد شفق۔ سحر: صبح۔ بانکی: مراد خوبصورت۔ رنگیں کرنا: رنگ دار بنانا۔ آری: آئینہ۔ شجر: درخت۔ روانی: بہنا۔ بے کلی: بے چینی۔ امتیاز: فرق۔ حُسنِ ازل: قدرت کا حُسن۔ پیدا: ظاہر۔ سخن: بات کرنا۔ غنچہ: کلی۔ چٹک: کھلنا۔ واں: وہاں، آسمان پر۔ کسک: ٹیس۔ انداز گفتگو: بات کرنے کا طریقہ۔ نغمہ: ترانہ، مراد چہچہانا۔ چہک: پرندے کا چہچہانا۔ کثرت: بہت تعداد میں ہونا۔ وحدت: ایک ہونا۔ محل: موقع۔ خاموشیِ ازل: مراد قدرت کا وجود جو بولتا نہیں۔

صبح کا ستارہ

لطفِ ہمسایگیِ شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں
میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی
آسماں کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیِ موت کے ہاتھوں سے صَبُوحی پینا
نہ یہ خدمت، نہ یہ عزت، نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی
میری قُدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا
واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گُلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزا حُسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قَیصر بن کر
ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبا جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا
ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گُہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست
زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل
ہے یہ انجام اگر زینتِ عالَم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر!
کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں
اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اُس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں
جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سُوئے میدانِ وغا، حُبِّ وطن سے مجبور
یاس و اُمید کا نظّارہ جو دِکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کو حیا طاقتِ گویائی دے

زرد، رُخصت کی گھڑی، عارضِ گلگوں ہوجائے
کششِ حُسن غمِ ہجر سے افزوں ہوجائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
ساغرِ دیدۂ پُرنم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مِل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانے کو دِکھاتا جاؤں

صبح کا ستارہ: ستارہ زُہرہ جو صبح کے وقت طلوع اور بہت روشن ہوتا ہے۔لطفِ ہمسائیگی: ایک دوسرے کے قریب رہنے کا مزہ۔شمس: سورج۔قمر: چاند۔ پیغامِ سحر: مراد صبح چڑھنے کا پتا دینا۔بستی: آبادی، مراد آسمان۔عدم آباد: فنا کی دنیا۔دامنِ صد چاک: قمیص کی ایسی جھولی جو کئی جگہ سے پھٹی ہو۔کفن: وہ سفید کھلا کپڑا جس میں مُردے کو لپیٹا جاتا ہے۔ساقیِ موت: موت کی شراب پلانے والا، مراد سورج۔صبوحی: صبح کی شراب، مراد ستارے کا غروب ہونا۔رفعت: بلندی۔گھڑی بھر: تھوڑی دیر۔قدرت: مراد اختیار۔اختر: ستارہ۔قعرِ دریا: سمندر کی گہرائی۔گوہر: موتی۔واں: وہاں یعنی سمندر میں۔کشاکش: کھینچا تانی۔بحر: سمندر۔زیبِ گلو: گلے کی سجاوٹ۔تاجِ سرِ بانوئے قیصر: روم کے بادشاہ کی ملکہ کے سر کا تاج۔صیاد جاگا: قسمت چمکی۔خاتمِ دستِ سلیمانؑ: حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ کی انگوٹھی۔نگیں: نگینہ، نگ۔شکست: ٹوٹنے کا عمل۔گہرہائے گراں مایہ: بہت قیمتی موتی۔شناسائے اجل: موت/فنا سے واقف۔تقاضائے اجل: مراد لازمی فنا ہونا۔افشاں: مقیش کی باریک کرن جو عورتیں سر پر چھڑکتی ہیں۔شراروں: چنگاریوں۔اشک: آنسو۔سرِ مژگاں: پلکوں پر۔زرہ: فولاد کا جالی دار کرتا جو جنگ میں پہنتے ہیں۔مستور: چھپا ہوا، مراد پہنے ہوئے۔سوئے میدانِ وغا: میدانِ جنگ کی طرف۔حُبِ وطن: وطن کی محبت۔یاس: نا اُمیدی۔تابِ شکیبائی: صبر کی طاقت۔طاقتِ گویائی: بولنے کی قوت۔عارضِ گلگوں: گلاب کی طرح سُرخ گال۔کششِ حُسن: خوبصورتی کی دل کشی۔غمِ ہجر: محبوب سے دوری کا دکھ۔افزوں: زیادہ۔ساغرِ دیدۂ پُرنم: آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کا جام۔چھلک جانا: لبالب ہو کے نیچے گر جانا۔حیاتِ ابدی: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی۔سوز: تپش، گرمی۔

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سُنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یُونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہُنر دیا تھا
مٹّی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
تُرکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹُوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سُنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیمؑ جس کے، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

قومی گیت: قومی ترانہ۔ پیغامِ حق: خدا کا پیغام۔ چشتی: حضرت خواجہ معین الدین چشتی، برصغیر کے مشہور صوفی، مزار بھارت کے شہر اجمیر میں ہے (وفات ۱۲۳۶ء)۔ نانک: مراد سکھوں کے گرو بابا نانک، انھوں نے پنجاب میں توحید کا درس دیا۔ چمن: مراد ملک۔ وحدت: خدا کی توحید۔ تاتاری: ترکستان کے باشندے۔ مراد مغلیہ خاندان کے بادشاہ (ظہیر الدین بابر سے بہادر شاہ ظفر تک) جنھوں نے برصغیر پر ۱۶ویں صدی سے ۱۹ویں صدی عیسوی تک دو سو برس سے زیادہ حکومت کی۔ حجازی: حجاز کے رہنے والے، مراد مسلمان۔ دشتِ عرب: عرب کا ریگستان۔ یونانی: مراد یونان کے فلسفی جو برصغیر کے فلسفے سے حیران ہوئے تھے۔ علم و ہنر: مختلف قسم کے علوم اور فنون۔ زر: سونا۔ دامن ہیروں سے بھرنا: دولت سے مالا مال کر دینا۔ فارس کا آسمان: مراد ایران کا ملک۔ جو ستارے ٹوٹے: مراد جن اہلِ علم و معرفت نے وہاں سے ہجرت کی۔ تاب دینا: چمکانا، پالش کرنا۔ کہکشاں: لکیر سے ملتے جلتے چھوٹے چھوٹے ستارے۔ لے: نغمہ، مراد گیت۔ مکاں: ملک۔ میرِ عربؐ: حضور اکرمؐ۔ ٹھنڈی ہوا: مراد توحید کا جھونکا۔ کلیم: اللہ سے باتیں کرنے والے (حضرت موسیٰؑ کی طرح)۔ پربت: پہاڑ۔ سینا: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں۔ نوحِ نبی: حضرت نوحؑ، جن کی دعا سے طوفان (نوح) آیا۔ سفینا: سفینہ، کشتی۔ بامِ فلک: آسمان کی چھت۔ زینا: زینہ، سیڑھی۔

نیا شِوالا

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تُو بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بُت ہوگئے پُرانے
اپنوں سے بَیر رکھنا تُو نے بُتوں سے سیکھا
جنگ و جدَل سِکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دَیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مُورتوں میں سمجھا ہے تُو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے
آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اُٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں
سُونی پڑی ہوئی ہے مدّت سے دل کی بستی
آ، اِک نیا شِوالا اس دیس میں بنا دیں

دُنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پُجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی، شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے

شِوالا: ہندوؤں کی عبادت گاہ، مندر۔ صنم کدوں: جمع صنم کدہ، بتوں کے گھر۔ جنگ و جدل: مار دھاڑ، لڑائی جھگڑا۔ واعظ: مسلمانوں کا مذہبی رہنما۔ دَیر و حرم: مراد غیر مسلموں اور مسلمانوں کی عبادت گاہیں۔ پتھر کی مورتیں: پتھر سے تراشے ہوئے بت۔ دیوتا: پیغمبر، نبی، فرشتہ مراد مقدس، پوجنے کے قابل۔ غیریت: اپنے نہ ہونا۔ پَردے اُٹھانا: رُکاوٹیں ہٹانا/ ختم کرنا۔ نقشِ دُوئی: دو ہونے کا نشان، جدائی اور بیگانگی کا نقش۔ سُونی: اُجاڑ۔ دل کی بستی: مراد دل جو محبت کا مرکز ہے۔ تیرتھ: مقدس مقام جس کی زیارت کرتے ہیں۔ اُونچا: مراد بلند مرتبہ۔ دامان: دامن، پلو۔ کلس: گنبد کے اوپر کا نوکدار حصہ۔ منتر: ہندوؤں کی مقدس کتاب کے الفاظ/ عبارتیں۔ پیت: پیار، محبت۔ شکتی: طاقت، زور۔ شانتی: امن، سکون۔ بھگت: ہندوؤں کا متقی، دیندار۔ باسیوں: جمع باسی، باشندے۔ مکتی: بخشش، نجات۔

داغ

عظمتِ غالبؔ ہے اک مُدّت سے پیوندِ زمیں
مہدیِ مجروحؔ ہے شہرِ خموشاں کا مکیں
توڑ ڈالی موت نے غربت میں مِینائے امیرؔ
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیرؔ
آج لیکن ہمنوا! سارا چمن ماتم میں ہے
شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے
بلبلِ دِلّی نے باندھا اُس چمن میں آشیاں
ہم نوا ہیں سب عنادِل باغِ ہستی کے جہاں

چل بسا داغؔ، آہ! میّت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانکپن، وہ شوخیِ طرزِ بیاں
آگ تھی کافورِ پیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ داغؔ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیِ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے

اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گُل کا راز
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بُلبل کا راز

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اور دِکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں

تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رُلوائیں گے
یا تخیّل کی نئی دُنیا ہمیں دِکھلائیں گے

اس چمن میں ہوں گے پیدا بُلبلِ شیراز بھی
سیکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی

اُٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بُت خانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے

لِکھّی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اُٹھ گیا ناوَک فگن، مارے گا دل پر تیر کون؟

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہُوں میں
تُو بھی رو اے خاکِ دِلّی! داغؔ کو روتا ہُوں میں

اے جہان آباد! اے سرمایۂ بزمِ سخن!
ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن

وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بُو ہُوا
آہ! خالی داغؔ سے کاشانۂ اُردو ہُوا

تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں
وہ مہِ کامل ہُوا پنہاں دکن کی خاک میں

اُٹھ گئے ساقی جو تھے، مے خانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالیؔ رہ گیا

آرزو کو خون رُلواتی ہے بیدادِ اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیّادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زباں
ہے خزاں کا رنگ بھی وجہِ قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالم گیر کے ہیں سب اثر
بُوئے گُل کا باغ سے، گُل چیں کا دنیا سے سفر

داغ: اُردو کے مشہور شاعر، نواب مرزا خاں۔ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا اور ۱۹۰۵ء میں بمقام حیدرآباد دکن فوت اور دفن ہوئے۔ عظمت: بڑائی۔ غالب: اردو فارسی کے مشہور شاعر اسداللہ خان غالب (۱۷۹۷ء۔ ۱۸۶۹ء)۔ مہدی مجروح: غالب کے عزیز شاگرد۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں فوت ہوئے۔ پیوند زمیں: مراد زمین میں دفن۔ شہرِ خموشاں: قبرستان۔ مینا توڑ ڈالی: مراد اس دنیا سے اُٹھا لیا۔ امیر: اُردو کے

مشہور شاعر امیر احمد مینائی، امیر تخلص۔ ولادت ۱۸۲۸ء لکھنؤ ۷۳ برس کی عمر میں حیدر آباد دکن میں فوت ہوئے۔ کیفِ صہبائے امیر: امیر مینائی کی شراب یعنی شاعری کی مستی/ نشہ۔ ماتم: مرنے والے کا افسوس۔ سارا چمن: مراد پورا ملک۔ شمعِ روشن: مراد داغ دہلوی۔ بزمِ سخن: شاعری کی محفل۔ بلبلِ دلّی: مراد داغ جو ایک خوش فکر شاعر تھا۔ عنادل: جمع عندلیب، بلبلیں۔ باغِ ہستی: زندگی کا باغ۔ چل بسا: مر گیا۔ زیبِ دوش: کندھوں کے لیے سجاوٹ کا باعث۔ جہان آباد: دہلی کا پرانا نام۔ خاموش ہے: مر گیا ہے۔ بانکپن: مراد انوکھا پن۔ شوخیٔ طرزِ بیاں: شعر کہنے کا ایسا انداز جس میں چلبلا پن ہو۔ کافورِ پیری: مراد بڑھاپے کی ٹھنڈک۔ زبانِ داغ: مراد داغ کی شاعری۔ لیلیٔ معنی: مراد شعروں میں پیدا کیے گئے عمدہ مضامین۔ وہاں: داغ کی شاعری میں۔ بے پردہ: مراد ذہن سے باہر شعر کی صورت میں۔ محمل میں ہونا: مراد ذہن ہی میں رہنا۔ صبا: صبح کی ہوا۔ سکوتِ گل: پھول کی خاموشی۔ نالۂ بلبل: مراد بلبل کا چہکنا۔ فکر کی پرواز: شاعری میں تخیل کی بلندی۔ طائر: پرندہ۔ نشیمن: گھونسلا۔ مضمون کی باریکیاں: شعری مضمونوں/ خیالات کی گہرائیاں۔ فکرِ نکتہ آرا: ایسا تخیل جو گہرے دلکش مضامین پیدا کرے۔ فلک پیمائی: آسمان پر پرواز کی حالت۔ تلخیٔ دوراں: زمانے کی تکلیفیں۔ نقش کھینچنا: لفظوں میں تصویر کھینچنا۔ تخیل کی نئی دنیا: مراد نئے نئے خیالات۔ بلبلِ شیراز: مراد شیخ سعدی شیرازی (۱۱۹۳ء تا ۱۲۹۱ء)۔ شیراز میں دفن ہیں۔ ان کا مزار "سعدیہ" کہلاتا ہے۔ صاحبِ اعجاز: انسانی بس سے باہر کے کام کرنے والا۔ آزر: اپنے زمانے کے مشہور بت ساز، مراد شاعر۔ اُٹھیں گے: پیدا ہوں گے۔ شعر کا بت خانہ: مراد شاعری۔ کتابِ دل: مراد دل کے جذبے۔ خوابِ جوانی: مراد جوانی کی خواہشیں۔ تعبیر: خواب کا نتیجہ بیان کرنا۔ تصویر کھینچنا: مراد لفظوں میں بیان کرنا۔ اُٹھ گیا: مر گیا۔ ناوک فگن: تیر چلانے والا۔ دل پر تیر مارنا: مراد دلکش شعروں سے متاثر کرنا۔ دانہ: بیج، مراد اشک۔ زمین شعر میں بونا: شعر کی صورت میں دکھ کا اظہار کرنا۔ سرمایہ: دولت، پونجی۔ بزمِ سخن: شعر و شاعری کی محفل۔ پامال: مراد تباہ۔ گلِ رنگیں: رنگدار پھول، مراد داغ۔ مثالِ بو: خوشبو کی طرح۔ کاشانۂ اُردو: مراد اُردو زبان کا گھر۔ مہِ کامل: پورا چاند۔ دکن: حیدر آباد دکن جو اس وقت ایک مسلم ریاست تھی۔ میخانہ: شراب خانہ، مراد مملکتِ ادب۔ بزمِ دہلی: مراد دہلی کا ادبی ماحول۔ حالیؔ: مولانا الطاف حسین حالیؔ اُردو کے مشہور شاعر اور غالب کے شاگرد (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء)۔ خون رُلوانا: بہت صدمہ/ دکھ دینا۔ بیدادِ اجل: موت کی سختی۔ صیاد: شکاری۔ زبان کھلنا: بات/ الفاظ زبان پر لانا۔ رنگ: مراد موسم۔ وجہِ قیامِ گلستاں: باغ کے قائم رہنے کا سبب۔ قانونِ عالمگیر: پوری دنیا میں رائج دستور۔ گل چیں: پھول توڑنے والا۔ دنیا سے سفر: مراد دنیا سے اُٹھ/ مر جانا۔

ابر

اُٹھی پھر آج وہ پُورب سے کالی کالی گھٹا
سیاہ پوش ہُوا پھر پہاڑ سربن کا
نہاں ہُوا جو رُخِ مہر زیرِ دامنِ ابر
ہَوائے سرد بھی آئی سوارِ توسنِ ابر
گرج کا شور نہیں ہے، خموش ہے یہ گھٹا
عجیب مے کدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا
چمن میں حکمِ نشاطِ مدام لائی ہے
قبائے گُل میں گُہر ٹانکنے کو آئی ہے
جو پھول مہر کی گرمی سے سو چلے تھے، اُٹھے
زمیں کی گود میں جو پڑ کے سو رہے تھے، اُٹھے
ہوا کے زور سے اُبھرا، بڑھا، اُڑا بادل
اُٹھی وہ اور گھٹا، لو! برس پڑا بادل
عجیب خیمہ ہے کُہسار کے نہالوں کا
یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

ابر: بادل۔ پورب: مشرق۔ گھٹا: بدلی۔ سیاہ پوش: کالے لباس والا۔ سربن: ایبٹ آباد کے مشرق میں پہاڑی چوٹی کا نام۔ نہاں ہونا: چھپنا۔ رُخِ مہر: سورج کا چہرہ۔ دامنِ ابر: بادل کا پلو۔ توسن: گھوڑا۔ گرج: بادل کی کڑک۔ بے خروش: شور سے خالی۔ نشاطِ مدام: ہمیشہ ہمیشہ کی خوشی۔ سو چلے تھے: مُرجھانے کے قریب تھے۔ اُٹھے: تازہ ہو گئے۔ لو: وہ دیکھو۔ نہال: درخت۔ وادی: گھاٹی، دو پہاڑوں کے درمیان جگہ۔

ایک پرندہ اور جگنو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا

چمکتی چیز اک دیکھی زمیں پر
اُڑا طائر اُسے جگنو سمجھ کر

کہا جگنو نے او مرغِ نوا ریز!
نہ کر بیکس پہ منقارِ ہوس تیز

تجھے جس نے چہک، گُل کو مہک دی
اُسی اللہ نے مجھ کو چمک دی

لباسِ نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طُور ہوں میں

چہک تیری بہشتِ گوش اگر ہے
چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے

پروں کو میرے قُدرت نے ضیا دی
تجھے اُس نے صدائے دل رُبا دی

تری منقار کو گانا سِکھایا
مجھے گُلزار کی مشعل بنایا

چمک بخشی مجھے، آواز تجھ کو
دیا ہے سوز مجھ کو، ساز تجھ کو

مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز
جہاں میں ساز کا ہے ہم نشیں سوز

قیامِ بزمِ ہستی ہے اِنھی سے
ظہورِ اوج و پستی ہے اِنھی سے

ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی
اِسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

سرِ شام: شام کے وقت۔ نغمہ پیرا: مراد چہچہانے والا۔ مرغِ نوا ریز: چہچہانے والا پرندہ۔ بیکس: جس کا کوئی نہ ہو۔ منقارِ ہوس: لالچ کی چونچ۔ تیز کرنا: مراد چونچ مارنا۔ چہک: چہچہانے کی حالت۔ پتنگوں: جمع پتنگا، شمع پر جلنے والے کیڑے۔ طُور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا۔ بہشتِ گوش: کانوں کے لیے بہشت کی طرح خوش گوار۔ فردوسِ نظر: آنکھ کے لیے بہشت کی طرح خوشگوار۔ ضیا: روشنی۔ صدائے دلربا: دل کو لبھانے والی آواز۔ گلزار: باغ، چمن۔ مشعل: چراغ دان۔ ساز: مراد ترنم۔ قیام: قائم / آباد رہنا۔ بزمِ ہستی: مراد دنیا، کائنات۔ اَوج: بلندی۔ ہم آہنگی: ہم خیال ہونے کی کیفیت۔ بوستاں: باغ، چمن۔

بچّہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلکِ پروانہ خُو!
شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تُو
یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنبش ہے کیا
روشنی سے کیا بغل گیری ہے تیرا مدعا؟
اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے
یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے
شمع اک شعلہ ہے لیکن تُو سراپا نور ہے
آہ! اس محفل میں یہ عُریاں ہے تُو مستور ہے
دستِ قُدرت نے اسے کیا جانے کیوں عُریاں کیا!
تجھ کو خاکِ تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا
نور تیرا چُھپ گیا زیرِ نقابِ آگہی
ہے غبارِ دیدۂ بینا حجابِ آگہی
زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ

محفلِ قُدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حُسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حُسن

حُسن، کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوگستری، شب کی سِیہ پوشی میں ہے

آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت، شفق کی گُل فروشی میں ہے یہ

عظمتِ دیرینہ کے مِٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار میں

ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

چشمۂ کُہسار میں، دریا کی آزادی میں حُسن
شہر میں، صحرا میں، ویرانے میں، آبادی میں حُسن

رُوح کو لیکن کسی گُم گشتہ شے کی ہے ہَوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرَس!

حُسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بے تاب ہے
زندگی اس کی مثالِ ماہیِ بے آب ہے

شمع: موم بتی۔ طفلک: چھوٹا سا بچہ۔ پروانہ خو: پتنگے کی سی عادت والا۔ گھڑیوں: جمع گھڑی، دیر تک۔ جنبش: ہلنا جُلنا۔ بغل گیری: گلے ملنا۔ مُدّعا: مقصد، خواہش۔ سراپا نور: مکمل روشنی۔ عُریاں: مراد ظاہر۔ مستور: چُھپا ہوا۔

خاکِ تیرہ کا فانوس: سیاہ مٹی کا شمعدان، مراد جسم۔ زیر: نیچے۔ نقابِ آگہی: شعور/ علم کا پردہ۔ غبار: گرد۔ دیدۂ بینا: مراد بصیرت۔ سرمستی: بہت نشے کی حالت۔ محفلِ قدرت: مراد کائنات۔ دریائے بے پایاں: بہت وسیع سمندر۔ طوفانِ حُسن: مراد حسن کی بے حد کثرت۔ ہیبت ناک خاموشی: ایسی خاموشی جس سے ڈر آئے۔ مہر: سورج۔ ضو گستری: روشنی پھیلانا۔ سیہ پوشی: کالا لباس، مراد اندھیرا۔ آسمانِ صبح: مراد صبح سویرے آسمان کا منظر۔ آئینہ پوشی: مراد آئینے کی طرح صاف شفاف ہونا۔ گل فروشی: پھول بیچنا۔ عظمتِ دیرینہ: مراد بادشاہوں وغیرہ کی شان و شوکت۔ مٹتے ہوئے آثار: ختم یا تباہ ہوتی ہوئی نشانیاں۔ گفتار: بول چال۔ ساکنان: جمع ساکن، رہنے والے، پرندے۔ صحنِ گلشن: باغ کا آنگن۔ ہم آوازی: مل کر گانا/ چہکنا۔ آشیاں سازی: گھونسلا بنانا۔ چشمہ کہسار: پہاڑوں سے نکلنے والا چشمہ/ سوتا۔ دریا کی آزادی: دریا کا کسی رُکاوٹ کے بغیر بہنا۔ گم گشتہ شے: کھوئی ہوئی چیز، مراد محبوبِ حقیقی (خدا)۔ نالاں: رونے والے۔ مثلِ جرس: گھنٹے کی طرح۔ عام جلوہ: مراد حسنِ قدرت کا ہر جگہ نظر آنا۔ یہ: رُوح۔ ماہیِ بے آب: پانی سے باہر کی مچھلی، جو تڑپتی رہتی ہے۔

کنارِ راوی

سکُوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی
نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
پیام سجدے کا یہ زیر و بم ہُوا مجھ کو
جہاں تمام سوادِ حرم ہُوا مجھ کو
سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں
شرابِ سُرخ سے رنگیں ہُوا ہے دامنِ شام
لیے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
عدم کو قافلۂ روزِ تیز گام چلا
شفق نہیں ہے، یہ سورج کے پھول ہیں گویا
کھڑے ہیں دُور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوارِ چغتائی
فسانۂ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سَلف کی کتاب ہے یہ محل
مقام کیا ہے، سرودِ خموش ہے گویا
شجر، یہ انجمنِ بے خروش ہے گویا

رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینۂ تیز
ہُوا ہے موج سے ملّاح جس کا گرمِ ستیز

سبک روی میں ہے مثلِ نگاہ یہ کشتی
نِکل کے حلقۂ حدِّ نظر سے دُور گئی

جہازِ زندگیِ آدمی رواں ہے یونہی
ابَد کے بحر میں پیدا یونہی، نہاں ہے یونہی

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھُپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

راوی: پنجاب کا مشہور دریا جو لاہور سے بھی گزرتا ہے۔ محوِ سرود: گانے میں مشغول۔ سجدے کا پیام: مراد اللہ کے حضور جھکنے کا اشارہ۔ زیر و بم: مراد لہروں کا ابھرنا گرنا۔ جہاں: کائنات۔ سوادِ حرم: کعبہ کا نواح، مراد سجدوں کی جگہ۔ سرِ کنارہ: کنارے پر۔ پیرِ فلک: آسمان کا بوڑھا، مراد پرانا آسمان۔ دستِ رعشہ دار: کانپتا ہوا ہاتھ۔ جام: شراب کا پیالہ، مراد سورج جو ڈوبنے والا ہے۔ عدم: فنا، نیستی۔ روزِ تیز گام: تیز تیز قدم اٹھانے / چلنے والا دن۔ سورج کے پھول: مراد مُردہ سورج (یعنی ڈوبنے والا) کی ہڈیوں کی راکھ۔ عظمت فزائے تنہائی: اکیلے پن کی بڑائی میں اضافہ کرنے والے۔ خوابگہِ شہسوارِ چغتائی: مراد مقبرہ جہانگیر بادشاہ، جسے شاہجہاں نے ۱۰۳۷ھ میں تعمیر کرایا اور جو لاہور میں دریائے راوی کے کنارے واقع ہے۔ ستم: ظلم، سختی۔ انقلاب: تبدیلیوں کی حالت، وقت کا بدلتے رہنا۔ محل: جگہ، مقام۔ زمانِ سلف: پرانا گزرا ہوا زمانہ۔ سرودِ خموش: ایسا گیت جس میں آواز نہ ہو۔ شجر: درخت۔ انجمنِ بے خروش: ایسی محفل جس میں شور نہ ہو۔ رواں: چل رہا۔ سینۂ دریا: مراد پانی کی سطح۔ پہ: پر۔ سفینہ: کشتی۔ ملاح: کشتی چلانے والا۔ گرمِ ستیز: لڑنے / مقابلہ کرنے میں مصروف۔ سبک روی: تیز چلنا۔ مثلِ نگاہ: نگاہ کی طرح۔ حلقہ: دائرہ۔ حدِّ نظر: نظر کی انتہا۔ جہازِ زندگیِ آدمی: مراد انسانی زندگی۔ ابد: ہمیشگی۔ بحر: سمندر۔ نہاں: چھپا ہوا۔ شکست: ٹوٹنے کا عمل۔

اِلتجائے مُسافر

(بہ درگاہِ حضرت محبوبِ الٰہیؒ، دہلی)

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اُونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ تو ام
وگر کشادہ جبینم، گُلِ بہارِ تو ام
☆
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گُل
ہُوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذّت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابرِ کرم پر، درختِ صحرا ہُوں
کِیا خدا نے نہ محتاجِ باغباں مجھ کو
فلک نشیں صفَتِ مہر ہُوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فُغاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چُن چُن کے خار و خس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آ رکھوں قدمِ مادر و پدر پہ جبیں
کِیا جنھوں نے محبت کا رازداں مجھ کو
وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

نفَس سے جس کے کِھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروّت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسفِ ثانی، وہ شمعِ محفلِ عشق
ہُوئی ہے جس کی اُخوّت قرارِ جاں مجھ کو
جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تُو
ہَوائے عیش میں پالا، کِیا جواں مجھ کو
ریاضِ دہر میں مانندِ گُل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ جاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے!
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے!

التجا: عرض، درخواست۔ مسافر: مراد زیارت کرنے والا پردیسی۔ بہ: میں۔ درگاہ: مراد مزار، روضہ۔ حضرت محبوب الٰہی: حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، نام محمد، برصغیر کے مشہور صوفی، ولادت بدایوں (۱۲۳۶ء) وفات دہلی (۱۳۲۳ء)۔ جناب: درگاہ۔ فیض: فائدہ پہنچانے کا عمل۔ کشش: اپنی طرف مائل کرنے/ کھینچنے کی حالت۔ نظامِ مہر: سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا سلسلہ۔ صورت: مانند، طرح۔ لحد: قبر، مزار۔ مسیح: حضرت عیسیٰؑ جن کا لقب مسیح اللہ ہے۔ خضر: حضرت خضرؑ، روایتی پیغمبر جو بھولوں بھٹکوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ رنگِ محبوبی: پیارے/ عزیز ہونے کا رنگ، احترام: قدر و عزت۔ چمن: مراد وطن۔ نکہت: خوشبو۔ نگار خانہ: تصویر خانہ، مراد دلچسپیوں کا مرکز یعنی وطن۔ شرابِ علم کی لذت: مراد علم حاصل کرنے کا بیحد شوق۔ کشاں کشاں: کھینچ کھینچ کر، بامرِ کرم:

مہربانی کا بادل۔ درختِ صحرا: خود کو بیابان کے درخت سے تشبیہ دی ہے۔ محتاج: کسی سے اپنی ضرورت پوری کروانے والا۔ فلک نشیں: آسمان پر بیٹھنے والا، مراد بلند مرتبہ۔ صفتِ مہر: سورج کی طرح۔ ہُوں: یعنی ہوں۔ نردباں: سیڑھی، ذریعہ۔ ہم سفروں: جمع ہم سفر، مراد ساتھی۔ آگے: مراد بڑھ کر۔ منزلِ مقصود: جس جگہ پہنچنے کا ارادہ ہو۔ زبانِ قلم: مراد تحریر۔ دل دُکھنا: تکلیف پہنچنا۔ زیرِ آسماں: مراد دنیا میں۔ دلوں کو چاک کرنا: دلوں پر بہت اثر کرنا۔ شانہ: کنگھی۔ فُغاں: فریاد، شاعری۔ خار و خس: کانٹے، تنکے، گھاس پھوس، گھر بنانے کا معمولی سازوسامان۔ مادر و پدر: ماں اور باپ۔ جبیں: ماتھا۔ راز داں: حقیقت سے باخبر۔ وہ شمع: مراد علامہ کے استاد شمس العلما سید میر حسن سیالکوٹی۔ بارگہِ خاندانِ مرتضوی: حضرت علیؓ کے خاندان کی درگاہ/ آستانہ۔ مثلِ حرم: کعبہ کی طرح قابلِ احترام۔ آستاں: چوکھٹ۔ نفس: دم، سانس۔ آرزو کی کلی کِھلنا: مراد/ خواہش پوری ہونا۔ نکتہ داں: گہری/ باریک باتیں جاننے والا۔ شادماں: خوش۔ یوسفِ ثانی: دوسرا یوسفؑ، مراد علامہ کے بھائی شیخ عطا محمد جنھوں نے ان کی تعلیم و تربیت کا خرچ برداشت کیا اور بہت محبت سے رکھا۔ اخوت: بھائی چارہ، بھائی ہونا۔ قرارِ جاں: روح/ دل کے لیے سکون کا باعث۔ دفترِ من و تُو: میں اور تو کی کتاب، مراد غیریت۔ ہوائے عیش: بہت خوشی و مسرت کی فضا۔ پالا: پرورش کیا۔ ریاضِ دہر: زمانے کا باغ۔ مانندِ گُل: پھول کی طرح۔ خنداں: ہنستا مسکراتا۔ عزیز تر از جاں: جان سے زیادہ پیارا۔ جانِ جاں: مراد محبوب، بہت پیارا/ عزیز۔ شگفتہ ہونا: کِھلنا۔ قبول ہونا: منظور ہونا۔

☆ اگر میں سیاہ دل والا (یعنی گنہگار) ہُوں تو میں تیرے لالہ کے باغ کا داغ دھبا ہوں، اور اگر میں کُھلی پیشانی والا (خوش خلق) ہوں تو تیری بہار کا پھول ہوں۔

غزلیات

(۱)

گلزارِ ہست و بُود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

آیا ہے تُو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ
دَم دے نہ جائے ہستیِ ناپائدار دیکھ

مانا کہ تیری دِید کے قابل نہیں ہوں میں
تُو میرا شوق دیکھ، مرا انتظار دیکھ

کھولی ہیں ذوقِ دِید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہ گزر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

گلزارِ ہست و بود: مراد یہ دنیا. بیگانہ وار: غیروں کی طرح. دیکھنے کی چیز: دل لبھانے والی چیز. مثالِ شرار: مراد چنگاری کی طرح تھوڑی زندگی والا. دَم دینا: دھوکا دینا. ہستیِ ناپائدار: فانی زندگی. دِید: دیدار. قابل: لائق، مناسب. ذوقِ دِید: محبوب کے دیکھنے کا شوق. رہ گزر: راستہ. نقش: نشان. کفِ پائے یار: محبوب کے پاؤں کے تلوے.

نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

تمھارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ مستی میں ہُشیار کیا تھی!

تامّل تو تھا اُن کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرزِ انکار کیا تھی

کھنچے خود بخود جانبِ طُور موسیٰؑ
کشش تیری اے شوقِ دیدار کیا تھی!

کہیں ذکر رہتا ہے اقبالؔ تیرا
فسوں تھا کوئی، تیری گفتار کیا تھی

تکرار: جھگڑا۔ عار: شرم۔ پیامی: پیغام لانے لے جانے والا۔ راز کھولنا: بھید کی بات بتا دینا۔ بندہ: غلام، اپنے لیے عاجزی کا لفظ۔ سرکار: آقا، محبوب کے لیے ادب کا لفظ۔ بھری بزم میں: مراد سب حاضرین کے سامنے۔ تاڑنا: بھانپ / جان لینا۔ مستی: نشہ، مدہوشی۔ ہُشیار: ہوشیار، ہوش میں رہنے والی۔ تامّل: سوچ۔ طرز: طریقہ، انداز۔ کھنچے: کشش کے سبب آگے بڑھے۔ جانب: طرف۔ طُور: طورِ سینا، جہاں حضرت موسیٰؑ نے خدا کا جلوہ دیکھا۔ ذکر رہنا: کسی کے متعلق باتیں ہونا۔ فسوں: افسوں، جادو۔ گفتار: باتیں، مراد شاعری۔

عجب واعظ کی دِیں داری ہے یا رب!
عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انساں
کہاں جاتا ہے، آتا ہے کہاں سے

وہیں سے رات کو ظُلمت مِلی ہے
چمک تارے نے پائی ہے جہاں سے

ہم اپنی دردمندی کا فسانہ
سُنا کرتے ہیں اپنے رازداں سے

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

عجب: حیران کرنے والی۔ واعظ: مسجد کے منبر پہ کھڑے ہو کر وعظ کرنے والا۔ دِیں داری: دین/شریعت کی پابندی۔ عداوت: دشمنی۔ ظلمت: اندھیرا۔ دردمندی: تکلیف/دکھ کی حالت۔ فسانہ: افسانہ، کہانی۔ رازداں: واقفِ حال۔ باریک: گہری۔ چالیں: جمع چال، دھوکا دینے کے طریقے۔ لرز جانا: کانپ کانپ اُٹھنا۔

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

وائے ناکامی، فلک نے تاک کر توڑا اُسے
میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کے لیے

آنکھ مِل جاتی ہے ہفتاد و دو ملّت سے تری
ایک پیمانہ ترا سارے زمانے کے لیے

دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں
لوٹ جائے آسماں میرے مٹانے کے لیے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چُن کے تُو
آ ہی نکلے گی کوئی بجلی جلانے کے لیے

پاس تھا ناکامیِ صیّاد کا اے ہم صفیر
ورنہ مَیں اور اُڑ کے آتا ایک دانے کے لیے!

اس چمن میں مرغِ دل گائے نہ آزادی کا گیت
آہ! یہ گُلشن نہیں ایسے ترانے کے لیے

بیتاب: بے چین ہوا۔ ے ناکامی: نامرادی پر افسوس ہے۔ فلک: آسمان۔ تاک کر: نشانہ باندھ کر۔ تاڑا: دیکھا، چنا۔ ہفتاد و دو ملت: بہتر فرقے، مراد دنیا کے مختلف مذہب۔ آنکھ مل جانا: نظر سے نظر مل جانا۔ پیمانہ: جام پیالہ۔ لوٹ جانا: تڑپ جانا۔ خرمن: فصل کا ڈھیر۔ پاس: لحاظ۔ صیاد: شکاری۔ ہم صفیر: ساتھ چہچہانے والا، ساتھی پرندہ۔ مرغِ دل: دل کا پرندہ، دل۔ گلشن: باغ۔

(۵)

کیا کہوں اپنے چمن سے مَیں جُدا کیونکر ہوا
اور اسیرِ حلقۂ دامِ ہَوا کیونکر ہوا

جائے حیرت ہے بُرا سارے زمانے کا ہُوں میں
مجھ کو یہ خِلعت شرافت کا عطا کیونکر ہوا

کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طُور پر
کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلا کیونکر ہوا

ہے طلب بے مدّعا ہونے کی بھی اک مدّعا
مرغِ دل دامِ تمنّا سے رِہا کیونکر ہوا

دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے
پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزما کیونکر ہوا

حُسنِ کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب
وہ جو تھا پردوں میں پنہاں، خود نما کیونکر ہوا

موت کا نسخہ ابھی باقی ہے اے دردِ فراق!
چارہ گر دیوانہ ہے، مَیں لادوا کیونکر ہوا

تُو نے دیکھا ہے کبھی اے دیدۂ عبرت کہ گُل
ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا

پُرسشِ اعمال سے مقصد تھا رُسوائی مری
ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ، کیا ہوا، کیونکر ہوا

میرے مِٹنے کا تماشا دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں اُن کا میرا سامنا کیونکر ہوا

اسیر: قیدی۔ حلقۂ دامِ ہَوا: لالچ / ہوس کے جال کی ڈوری۔ جائے حیرت: مرادحیرانی کی بات۔ مَیں: مراد انسان۔ شرافت کا خلعت: مرادانسان کے تمام مخلوق میں افضل / اشرف ہونے کا خاص لباس۔ تقاضا: اصرار طلب: خواہش۔ بے مدّعا ہونا: مرادکوئی مقصد یعنی آرزو نہ ہونا۔ دامِ تمنا: خواہش کا جال رہا ہونا: چھوٹ جانا۔ حشر: قیامت۔ صبر آزما: تکلیف دینے والا۔ حُسنِ کامل: مکمل حُسن، مرادقدرت کا حُسن۔ بے حجابی: پردے کے بغیر ہونا۔ وہ: مرادمحبوبِ حقیقی۔ پنہاں: چُھپا ہوا۔ خود نما: خود کو ظاہر کرنے والا۔ نسخہ: کاغذ کی پرچی جس پر طبیب دوا تجویز کرتا ہے۔ دردِ فراق: محبوب سے دوری کا دکھ۔ چارہ گر: طبیب، حکیم۔ دیوانہ: پاگل۔ لا دوا: لا علاج۔ دیدۂ عبرت: سبق حاصل کرنے والی آنکھ۔ رنگیں قبا: سرخ لباس والا۔ پُرسشِ اعمال: عملوں کے بارے میں (قیامت کے روز) پوچھ گچھ

(۲)

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

علاجِ درد میں بھی درد کی لذّت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے، نوکِ سوزن سے نکالے ہیں

پھلا پھُولا رہے یا رب! چمن میری اُمیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بُوٹے میں نے پالے ہیں

رُلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی
نرالا عشق ہے میرا، نرالے میرے نالے ہیں

نہ پوچھو مجھ سے لذّت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

نہیں بیگانگی اچھی رفیقِ راہِ منزل سے
ٹھہر جا اے شرر، ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

اُمیدِ حور نے سب کچھ سِکھا رکھّا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے، بھولے بھالے ہیں

مرے اشعار اے اقبالؔ! کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹُوٹے ہوئے دل کے یہ دردانگیز نالے ہیں

انوکھی وضع: نرالی شکل وصورت۔ بستی: آبادی، شہر۔ درد: مرادعشق کا دکھ۔ نوکِ سوزن: سُوئی کا سرا۔ پھلا پھولا: سرسبز۔ جگر کا خون دینا: بہت غم اُٹھانا۔ بُوٹے پالنا: پودوں کی پرورش کرنا۔ نرالا: سب سے الگ، انوکھا۔ خانماں برباد: جس کا گھربار تباہ ہو۔ نشیمن: گھونسلا۔ سیکڑوں: بہت سے۔ پھُونک ڈالنا: جلا دینا۔ بیگانگی: غیر ہونا۔ رفیقِ راہِ منزل: مراد سفر کا ساتھی۔ ٹھہر جا: رُک جا۔ شرر: چنگاری۔ مٹنے والا: فنا ہونے والا۔ امید: مراد خواہش۔ واعظ: مسجد میں وعظ کرنے والا۔ سیدھا سادہ: بھولا بھالا، جسے کوئی تجربہ نہ ہو۔ اشعار: شعر کی جمع۔ ٹوٹا ہوا دل: محبت میں مایوسی کا شکار دل۔ دردانگیز نالے: دکھ بھرے گیت۔

(۷)

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

منصور کو ہُوا لبِ گویا پیامِ موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

ہو دِید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

میں انتہائے عشق ہوں، تُو انتہائے حُسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حُسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

چُھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق ہم نشیں!
پھر اور کس طرح اُنھیں دیکھا کرے کوئی

اَڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طُور پر کلیمؑ
طاقت ہو دِید کی تو تقاضا کرے کوئی

نظّارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں، کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں
دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

ظاہر کی آنکھ: ماتھے والی آنکھیں۔ دیدۂ دل: مراد بصیرت کی آنکھ۔ تماشا کرنا: مراد کائنات میں قدرت کی نشانیاں دیکھنا۔ منصور: حسین بن حلاّج (ولادت ۸۵۸ء) فارس کے ایک قصبہ سے تعلق تھا۔ ''انا الحق'' کہنے پر علمائے وقت نے ان کے خلاف فتوٰی دیا، جس پر خلیفۂ بغداد مقتدر کے حکم پر انھیں پھانسی دی گئی۔ لبِ گویا: مراد زبان۔ پیامِ موت: مراد موت کا باعث۔ دعوٰی کرنا: مراد اظہار کرنا۔ دید: محبوب کا دیدار۔ انتہائے عشق: مراد عشق کا پورا/ مکمل جذبہ رکھنے والا۔ عذر آفریں: بہانے گھڑنے/ تراشنے والا۔ جُرم: گناہ، خطا۔ محشر: قیامت۔ عذرِ تازہ: نیا بہانہ۔ ہم نشیں: ساتھی۔ اَڑ بیٹھنا: ضد/ اصرار کرنا۔ طور: طورِ سینا۔ کلیم: حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ جنبشِ مژگاں: پلکوں کا جھپکنا۔

کہوں کیا آرزوئے بے دِلی مجھ کو کہاں تک ہے
مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے

وہ مے کش ہوں فروغِ مے سے خود گُلزار بن جاؤں
ہوائے گُل فراقِ ساقیِ نامہرباں تک ہے

چمن افروز ہے صیّاد میری خوش نوائی تک
رہی بجلی کی بے تابی، سو میرے آشیاں تک ہے

وہ مُشتِ خاک ہُوں، فیضِ پریشانی سے صحرا ہُوں
نہ پُوچھو میری وسعت کی، زمیں سے آسماں تک ہے

جرس ہُوں، نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے

سکُونِ دل سے سامانِ کشودِ کار پیدا کر
کہ عقدہ خاطرِ گرداب کا آبِ رواں تک ہے

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بُلبل!
یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فُغاں تک ہے

جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی، لطفِ تمنا بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے

زمانے بھر میں رُسوا ہوں مگر اے وائے نادانی!
سمجھتا ہوں کہ میرا عشق میرے رازداں تک ہے

آرزوئے بیدلی: عاشق کی تمنا. سودائے زیاں: گھاٹے/ نقصان کا کاروبار. مے کش: شراب پینے والا. فروغ: چمک، روشنی. گلزار: گلاب کے پھولوں کا باغ. ہوائے گل: پھول کی خواہش. ساقی: شراب پلانے والا. نامہرباں: مراد بے وفا. چمن افروز: باغ کو روشن کرنے والا/ والی. صیاد: شکاری. خوش نوائی: اچھی لے میں گانا/ چہچہانا. رہی بجلی کی بیتابی: جہاں تک بجلی کی بے چینی کا تعلق ہے. سو: تو وہ. مشتِ خاک: مٹی کی مُٹھی، مراد موجود شے. فیضِ پریشانی سے: بکھرنے کے طفیل/ باعث. جرس: گھنٹی. نالہ: شور فریاد. خوابیدہ: سویا ہوا. ہر رگ و پے میں: نس نس/ روئیں روئیں میں. رحیلِ کارواں: قافلے کا روانہ ہونا. سکونِ دل: دل کا قرار/ چین. سامان پیدا کرنا: چارہ ڈھونڈنا، بندوبست کرنا. کشودِ کار: مشکل کا حل. عقدہ: گرہ، گانٹھ. خاطر گرداب: بھنور کا دل. آبِ رواں: بہتا ہوا پانی. چمن زار: جہاں کئی چمن ہوں، مراد باغ. پابندیِ رسمِ فغاں: فریاد کی رسم کو باقاعدگی سے نبھانا. ذوقِ دید: دیدارِ محبوب کا شوق. لطفِ تمنا: خواہش کا مزہ. قیام: ٹھہرنا. اے وائے: افسوس ہے افسوس کی بات ہے. رازداں: واقفِ کار/ حال

جنھیں مَیں ڈُھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

حقیقت اپنی آنکھوں پر نمایاں جب ہوئی اپنی
مکاں نکلا ہمارے خانۂ دل کے مکینوں میں

اگر کچھ آشنا ہوتا مذاقِ جُبہہ سائی سے
تو سنگِ آستانِ کعبہ جا مِلتا جبینوں میں

کبھی اپنا بھی نظّارہ کِیا ہے تُو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تُو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جُدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تُو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو، ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

چُھپایا حُسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں

جلا سکتی ہے شمعِ کُشتہ کو موجِ نفَس ان کی
الٰہی! کیا چُھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

تمنّا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پُوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انھی خلوت گزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پُھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹُوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

سراپا حُسن بن جاتا ہے جس کے حُسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

پھڑک اُٹھا کوئی تیری ادائے 'مَا عَرَفنا' پر
ترا رُتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

نمایاں ہو کے دِکھلا دے کبھی ان کو جمال اپنا
بہت مُدّت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں

خموش اے دل! بھری محفل میں چلّانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

بُرا سمجھوں انھیں، مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبالؔ اپنے نکتہ چینوں میں

جنھیں: مراد محبوبِ حقیقی۔ظُلمت خانہ: تاریک گھر / جگہ۔مکین: رہنے والا۔مکاں: رہنے کی جگہ۔آشنا: واقف، باخبر۔مذاقِ جبہہ سائی: ماتھا گھسانے یعنی سجدہ کرنے کا ذوق۔سنگِ آستانِ کعبہ: کعبہ کی چوکھٹ کا پتھر۔جبینوں: جمع جبیں، ماتھے۔مجنوں: لیلیٰ کا عاشق۔لیلیٰ: عرب کی مشہور حسینہ جس کا رنگ کالا تھا۔محمل نشین: اونٹ پر لدے کجاوہ / پردہ میں بیٹھنے والی۔وصل: محبوب سے ملاپ۔گھڑیوں کی صورت: مراد بڑی تیزی سے۔مہینوں میں: مراد بہت آہستہ۔ناخُدا: ملاح، کشتی چلانے والا۔غرق ہونا: ڈوبنا۔سفینوں: جمع سفینہ، کشتیاں۔کلیم اللہ: خدا سے باتیں کرنے والا، حضرت موسیٰؑ کا لقب۔جس نے: مراد خدا نے۔ناز آفریں: ادا پیدا کرنے والا، مراد ناز و ادا کرنے والا۔جلوہ پیرا: مراد اپنا حُسن / تجلّی ظاہر کرنے والا۔نازنینوں: جمع نازنیں، مراد کُل مخلوقات جس میں خدا کا جلوہ ہے۔شمعِ کشتہ: بجھی ہوئی موم بتی۔موجِ نفس: سانس کی لہر، پھونک۔اہلِ دل: مراد عشق کا جذبہ رکھنے والے۔دردِ دل: مراد عشقِ الٰہی۔گوہر: موتی، دولت۔خزینوں: جمع خزینہ، خزانے۔خرقہ پوش: گدڑی پہننے والا، صوفی۔ارادت: عقیدت، اعتقاد۔یدِ بیضا: روشن ہاتھ، حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ۔نگاہِ نارسا: محبوب تک نہ پہنچنے والی نظر۔خلوت گزیں: تنہائی اختیار کرنے والا، اللہ والا۔شرر: چنگاری۔پھونکنا: جلانا۔خرمن: غلے کا ڈھیر۔خورشیدِ قیامت: قیامت کے روز نکلنے والا سورج۔خوشہ چیں: مراد فیض حاصل کرنے والا۔ٹوٹنے والا دل: ذرا سی ٹھیس سے متاثر ہونے والا دل۔نازک: جو مضبوط نہ ہو۔مے: شراب۔آبگینوں: جمع آبگینہ، شیشے کا برتن۔سراپا: پورے طور پر، مکمل۔بھلا: خدا جانے۔پھڑک اُٹھا: تڑپ اُٹھا، عش عش کر اُٹھا۔ادا: انداز "ما عرفنا": حضورِ اکرمؐ کی حدیث ہے "ہم نے اے خدا تجھے ویسا ہی پہچانا ہے جیسا پہچاننے کا حق ہے"۔بڑھ چڑھ کے رہنا: بہت زیادہ ہونا۔نمایاں ہونا: سامنے آنا۔جمال: حُسن۔چرچے: جمع چرچا، شہرتیں۔باریک بیں: جس کا فہم بہت تیز ہو۔چلّانا: زور سے بولنا۔ادب: دوسروں کا پاس لحاظ۔قرینہ: سلیقہ، ڈھنگ۔نکتہ چیں: عیب ڈھونڈنے والا۔

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں، سزا چاہتا ہوں

انتہا: اخیر. سادگی: بھولپن. ستم: ظلم، سختی. بے حجابی: مراد کھل کر سامنے آنا. صبر آزما: جس سے قوت برداشت پرکھی جائے. زاہدوں: جمع زاہد، عبادت گزار. آپ کا سامنا: مراد خدا کا سامنے ہونا. شوخ: گستاخ، بے خوف. ''لن ترانی'': تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، طور پر حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر خدا کا جواب. کوئی دم کا مہماں: مراد فانی انسان. اہلِ محفل: دنیا والے. چراغِ سحر: صبح سویرے کا چراغ جسے کسی وقت بجھایا جا سکتا ہے. بے ادب: گستاخ.

گشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیازمند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

بٹھا کے عرش پہ رکّھا ہے تُو نے اے واعظ!
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

مری نگاہ میں وہ رِند ہی نہیں ساقی
جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

مدام گوش بہ دل رہ، یہ ساز ہے ایسا
جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے
جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

سخن میں سوز، الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

تمیزِ لالہ و گُل سے ہے نالۂ بُلبل
جہاں میں وا نہ کوئی چشمِ امتیاز کرے

غرورِ زُہد نے سِکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

ہَوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبالؔ
اُڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

کشادہ کرنا: کھولنا. دستِ کرم: سخاوت/ بخشش کا ہاتھ. وہ بے نیاز: مراد خدا تعالیٰ. نیاز مند: عاجزی کرنے والا. ناز کرنا: فخر کرنا. احتراز کرنا: بچنا، دور رہنا. رِند: شراب پینے والا. ساقی: شراب پلانے والا. ہوشیاری: ہوش میں ہونا. مستی: مدہوشی، ہوش میں نہ ہونا. امتیاز کرنا: فرق کرنا. مدام: ہمیشہ. گوش بہ دل رہنا: دل کی طرف متوجہ رہنا/ کان لگائے رہنا. ساز: موسیقی کا آلہ. شکستہ: ٹوٹا ہوا، محبت میں چور. پیدا کرنا: نکالنا. نوائے راز: بھید کا گیت. واعظ: مسجد میں وعظ کرنے والا. بے عمل: جس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو. رحمت: مہربانی، بخشش. سخن: بات، شاعری. سوز: تپش، گرمی، تاثر. گداز کرنا: پگھلانا. تمیز: فرق کرنا. لالہ و گُل: مختلف قسم کے پھول. نالۂ بلبل: بلبل کا رونا/ چہچہانا. وا کرنا: کھولنا. چشمِ امتیاز: فرق کرنے والی آنکھ. غرور: خود کو بڑا کہنا. غبار: گرد، مٹی. رہِ حجاز: حجاز کا راستہ، مراد اسلام اور حضور اکرمؐ سے عقیدت.

سختیاں کرتا ہُوں دل پر، غیر سے غافل ہُوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہُوں میں، جاہل ہُوں میں

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وہ باطل ہُوں میں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے محرومی! خزف چینِ لبِ ساحل ہُوں میں

ہے مری ذلّت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو مَلک روتے ہیں وہ غافل ہُوں میں

بزمِ ہستی! اپنی آرائش پہ تُو نازاں نہ ہو
تُو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہُوں میں

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہُوں میں

سختی کرنا: ظلم کرنا. غیر: مراد اللہ کے سوا جو کچھ ہے. کیا اچھی کہی: بڑی اچھی بات کہی. ظالم ہُوں، جاہل ہُوں: ایک قرآنی آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان کو "ظلوماً جہولا" (ظالم، جاہل) کہا گیا ہے. جبھی

تک : اس وقت تک۔ جلوہ پیرائی : مراد خدا کی تجلّی ظاہر ہونا۔ نمودِ حق : حق / خدا کا ظہور۔ مٹ جانا : فنا ہو جانا۔
باطل : جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ غوطہ زن : ڈبکی لگانے والا / والے۔ گوہر بدست : ہاتھوں میں موتی لیے۔
وائے محرومی : افسوس ہے بے نصیبی پر۔ خزف چین : ٹھیکریاں چننے والا۔ لبِ ساحل : کنارے پر۔ شرافت :
شریف ہونا۔ جس کی : مراد انسان کی۔ غفلت : لاپروائی، بھول چوک۔ مَلک : فرشتہ / فرشتے۔ روتے ہیں :
افسوس کرتے ہیں۔ بزمِ ہستی : وجود کی محفل، کائنات۔ آرائش : سجاوٹ۔ نازاں ہونا : فخر کرنا۔ محفل ہُوں مَیں :
یعنی انسان ہی سے کائنات میں رونق ہے۔ اپنے آپ کو ڈھونڈنا : اپنی حقیقت جاننے کی کوشش کرنا۔

مجنوں نے شہر چھوڑا تُو صحرا بھی چھوڑ دے
نظّارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

واعظ! کمالِ ترک سے مِلتی ہے یاں مُراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

تقلید کی روِش سے تو بہتر ہے خودکُشی
رستہ بھی ڈُھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

مانندِ خامہ تیری زباں پر ہے حرفِ غیر
بیگانہ شے پہ نازشِ بے جا بھی چھوڑ دے

لُطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
بِسمل نہیں ہے تُو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے

شبنم کی طرح پھولوں پہ رو، اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے

ہے عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا
بُت خانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنّا بھی چھوڑ دے

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جینا وہ کیا جو ہو نفَسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے

شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم!
شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبالؔ کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

نظارے کی ہوس: مراد محبوبِ حقیقی کو دیکھنے کی شدید خواہش۔ کمالِ ترک: دنیا اور آخرت سے پوری طرح بے نیاز ہو جانا۔ عقبیٰ: آخرت۔ تقلید: پیروی، کسی کے پیچھے چلنا۔ روش: طریقہ۔ خودکشی: اپنے ہاتھوں خود کو مار لینا۔ خضر: مراد رہنما۔ سودا: مراد خیال۔ مانندِ خامہ: قلم کی طرح۔ حرفِ غیر: مراد غیر اللہ کی بات۔ بیگانہ: غیر، پرایا/ پرائی۔ شے: چیز۔ نازشِ بے جا: غلط قسم کا فخر۔ لطفِ کلام: شاعری کا مزہ۔ دردِ عشق: مراد عشق کا شدید جذبہ۔ بسمل: زخمی۔ رسم: دستور۔ سب سے الگ بیٹھنا: مراد مذہبی/ فرقہ پرستی کے تعصب سے دور رہنا۔ بتخانہ، حرم، کلیسا: مراد مختلف قوموں کے عبادت خانے۔ سوداگری: کاروبار۔ جزا: ثواب۔ پاسبان: چوکیدار، حفاظت کرنے والا۔ نفَسِ غیر: دوسرے کی ذات، کوئی دوسرا۔ مدار: انحصار۔ شوخی: گستاخی۔ سوالِ مکرر: بار بار سوال کرنا۔ کلیم: مراد حضرت موسیٰ کلیم اللہ جنھوں نے اللہ سے اپنا جلوہ دکھانے پر اصرار کیا۔ شرطِ رضا: مراد خدا کی مرضی پر خوش رہنے کی شرط۔ ثبوت لانا: دلیل پیش کرنا۔ مے: شراب۔ ضد: اصرار۔

حصہ دوم

(۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک)

محبت

عروسِ شب کی زُلفیں تھیں ابھی نا آشنا خَم سے
ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذّتِ رَم سے

قمر اپنے لباسِ نَو میں بیگانہ سا لگتا تھا
نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلّم سے

ابھی امکاں کے ظُلمت خانے سے اُبھری ہی تھی دُنیا
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالَم سے

کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا
ہوَیدا تھی نگینے کی تمنّا چشمِ خاتَم سے

سُنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیاگر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اِکسیر کا نسخہ
چُھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ رُوحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیاگر کی
وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دِلی آخر بَر آئی سعیِ پیہم سے

پھرایا فکرِ اجزا نے اُسے میدانِ امکاں میں
چُھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے

چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغِ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زُلفِ برہم سے

تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفَسہائے مسیحِ ابنِ مریمؑ سے

ذرا سی پھر ربوبیّت سے شانِ بے نیازی لی
مَلک سے عاجزی، اُفتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکّب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے

مُہوِس نے یہ پانی ہستیِ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہُنر نے اُس کے گویا کارِ عالَم سے

ہوئی جنبش عیاں، ذرّوں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اُٹھ اُٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے، ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

عروسِ شب: رات کی دلہن۔ زلفیں: جمع زلف، بالوں کا لچھا۔ خم: مڑے ہوا، ٹیڑھ۔ لذتِ رم: مراد طلوع ہو کر غائب / غروب ہونے کا مزہ۔ قمر: چاند۔ لباسِ نو: نیا لباس۔ بیگانہ سا لگنا: غیر غیر سا معلوم ہونا۔ گردش: چکر کاٹنے کا عمل۔ آئینِ مسلّم: مانا ہوا اصول۔ ظلمت خانہ: تاریک جگہ۔ ابھرنا: اوپر کو اٹھنا۔ مذاقِ زندگی: زندگی گزارنے کا ذوق۔ پہنائے عالم: کائنات کا پھیلاؤ۔ کمالِ نظمِ ہستی: وجود / کائنات کی ترتیب کا مکمل ہونا۔ ہویدا: ظاہر۔ چشمِ خاتم: انگوٹھی کی آنکھ۔ عالمِ بالا: اوپر کی / آسمانی دنیا۔ کیمیا گر: تانبے کو سونا بنانے والا، مراد حضور اکرمؐ کا نورِ مبارک جس کی روشنی سے ساری کائنات پیدا ہوئی۔ صفا: پاکیزگی۔ خاکِ پا: پاؤں کی گرد / مٹی۔ ساغرِ جم: ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کا شراب کا پیالہ۔ اکسیر: مراد لازمی اثر کرنے والی دوا۔ نسخہ: کاغذ کا پرچہ جس پر حکیم دوائیں تجویز کرتا ہے۔ تاک میں رہنا: گھات میں رہنا۔ اسمِ اعظم: خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک بزرگ تر نام جس کے ورد سے دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ تسبیح خوانی: اللہ کے نام کا ورد کرنا۔ تمنا کے دل بر آنا: دل کی خواہش پوری ہونا۔ سعیِ پیہم: لگاتار کوشش۔ پھرانا: تلاش میں مصروف رکھنا۔ اجزا: جمع جزو، حصے، جن سے کوئی چیز ترکیب پاتی ہے۔ میدانِ امکاں: مراد یہ کائنات۔ بارگاہِ حق: خدا کا دربار۔ محرم: واقف، بھید جاننے والا۔ داغِ جگر: مراد وہ داغ / دھبا جو چاند میں ہوتا ہے۔ تیرگی: سیاہی، تاریکی۔ اُڑانا: چرانا۔ شب: رات۔ زُلفِ برہم: بکھرے ہوئے بال۔ پاکیزگی: پاک صاف ہونے کی حالت۔ نفسہائے: جمع نفس، سانس، پھونکیں۔ مسیحِ ابنِ مریم: حضرت مریمؑ کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ مسیح اللہ جو اپنے دَم سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ربوبیت: پروردگاری۔ شانِ بے نیازی: بے پروائی کا انداز۔ مَلک: فرشتہ۔ عاجزی: خود کو کمتر سمجھنا۔ اُفتادگی: گرنا۔ اجزا: جمع جزو، حصے، ٹکڑے۔ چشمۂ حیواں: آبِ حیات کا چشمہ۔ مرکب: کئی چیزیں اکٹھی ملائی ہوئیں۔ عرشِ اعظم: خدا کا تخت۔ ہوس: لالچ، کیمیا گر۔ ہستیِ نوخیز: تازہ تازہ وجود میں آئی ہوئی زندگی۔ گرہ کھولنا: مشکل حل کرنا۔ ہنر: کاریگری۔ کارِ عالم: دنیا کا کاروبار / معاملہ۔ جنبش: ہلنا۔ عیاں: ظاہر۔ لطفِ خواب: نیند کا مزہ۔ ہمدم: ساتھی۔ خرامِ ناز: ادا سے چلنا۔ آفتابوں: جمع آفتاب، سورج۔ چٹک: کھلنا۔ داغ: نشان۔ لالہ زار: لالہ کے پھولوں کا باغ۔

حقیقتِ حُسن

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تُو نے لازوال کیا

مِلا جواب کہ تصویر خانہ ہے دُنیا
شبِ درازِ عدَم کا فسانہ ہے دُنیا

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سُنی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سُنی

سحر نے تارے سے سُن کر سُنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا، سوگوار گیا

لازوال: جسے فنا نہ ہو۔ تصویر خانہ: وہ گھر جس میں تصویریں ہوں، مختلف صورتوں کا مرقع۔ شبِ دراز عدم: فنا/نیستی کی لمبی رات۔ رنگِ تغیر: بدلتے رہنے کا انداز۔ نمود: ظاہر ہونا۔ حسیں: خوبصورت۔ حقیقت: اصلیت۔ زوال: فنا، اُتار۔ گفتگو: بات چیت۔ قمر: چاند۔ فلک: آسمان۔ عام ہونا: مراد پھیل جانا۔ اخترِ سحر: صبح کا تارا۔ شبنم: اوس۔ محرم: واقف، رازدان۔ آنسو بھر آنا: آنسو نکل آنا۔ دل خون ہونا: سخت دکھ بھرا ہونا۔ شباب: جوانی۔ سیر کو آنا: مراد تھوڑی دیر کے لیے کہیں آنا۔ سوگوار: غم کا مارا ہوا۔

پیام

عشق نے کر دیا تجھے ذوقِ تپش سے آشنا
بزم کو مثلِ شمع بزم حاصلِ سوز و ساز دے

شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشاے کا
دَیر و حرم کی قید کیا! جس کو وہ بے نیاز دے

صورتِ شمع نور کی مِلتی نہیں قبا اُسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جاں گداز دے

تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہِ سحر میں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ تُو سُرمۂ امتیاز دے

عشق بلند بال ہے رسم و رہِ نیاز سے
حُسن ہے مستِ ناز اگر تُو بھی جوابِ ناز دے

پیرِ مغاں! فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

ذوقِ تپش: تڑپ/بیقراری کا شوق۔آشنا: واقف۔مثل: مانند،طرح۔حاصلِ سوز و ساز: عشقِ حقیقی میں پیدا ہونے والے جذبے۔شانِ کرم: مہربانی/بخشش کا انداز۔مدار: انحصار۔عشق گرہ کشاے: مشکلیں حل کرنے والا عشق۔دَیر و حرم: مراد مختلف مذاہب۔قید: پابندی۔وہ بے نیاز: مراد خدا تعالیٰ۔صورتِ شمع: شمع/موم بتی کی طرح۔قبا: آگے سے کھلا ہوا لمبا کوٹ۔دہر: زمانہ۔گریۂ جاں گداز: روح کو پگھلانے/بیحد متاثر کرنے والا رونا۔وہ: مراد خدا تعالیٰ۔جلوہ گرِ سحر: صبح کی تجلی کی جگہ، مراد صبح۔چشمِ نظارہ: دیکھنے والی آنکھ۔سُرمۂ امتیاز: دو یا زیادہ چیزوں میں فرق کرنے والا سرمہ۔بلند بال ہونا: مراد بہت دور/بلند ہونا۔رسم و رہِ نیاز: عاجزی کے طور طریقے۔مستِ ناز: اپنی اداؤں میں مگن۔جوابِ ناز دینا: مراد حسن والا ناز کی اختیار کرنا۔پیرِ مُغاں: آتش پرستوں کا پیشوا، شراب بیچنے والا۔مے: شراب، مراد زندگی گزارنے کے طریقے۔نشاط: خوشی، مسرّت۔کیفِ غم: غم کا خمار۔خانہ ساز: مراد دیسی شراب یعنی اپنے یہاں کی اسلامی معاشرت اور علوم۔بزمِ کہن: پرانی محفل، مراد مسلمان جو کبھی ہندوستان میں حکمران تھے اب غلام ہیں۔مے مجاز: مراد دنیاوی شراب یعنی صرف دنیا ہی سے تعلق جسے ''ماسوا اللہ'' کہتے ہیں۔

سوامی رام تیرتھ

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تُو
پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہرِ نایاب تُو
آہ! کھولا کس ادا سے تُو نے رازِ رنگ و بُو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بُو
مِٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بُجھ کے آتش خانۂ آزر بنا
نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
'لا' کے دریا میں نہاں موتی ہے 'اِلّا اللہ' کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنیِ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ، سیماب سیمِ خام ہے
توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارُو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

سوامی رام تیرتھ: تیرتھ رام سوامی جو محبت سے خدا ملنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ (۱۸۷۳ء-۱۹۰۶ء)۔ گوجرانوالہ کے ایک گاؤں سے تعلق تھا۔ دریائے گنگا میں ڈوب کر فوت ہوئے۔ ہم بغل: مراد ملا ہوا۔ قطرۂ بیتاب: بے چین قطرہ۔ گوہر نایاب: نہ ملنے والا اور عجیب موتی۔ ادا: مراد طریقہ۔ رنگ و بو: یعنی کائنات۔ اسیر امتیاز: فرق کرنے کا قیدی۔ غوغا: شور، ہنگامہ۔ شورشِ محشر: قیامت کا ہنگامہ۔ شرارہ: چنگاری۔ آتش خانہ: آتش پرستوں کا عبادت خانہ جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ آزر: حضرت ابراہیمؑ کے دور کا مشہور بت تراش، حضرت ابراہیمؑ کے والد یا چچا (ذال سے ہو تو بمعنی آگ)۔ نفیِ ہستی: اپنی ہستی کو محبوب (حقیقی) کی ذات میں فنا کرنا۔ کرشمہ: انوکھی بات۔ دلِ آگاہ: باخبر دل۔ لا: مراد کوئی معبود نہیں۔ الا اللہ: خدا کے سوا (کوئی معبود نہیں) نہاں: چھپا ہوا۔ چشمِ نابینا: اندھی آنکھ۔ مخفی: چھپا ہوا۔ معنیِ انجام: خاتمہ/ اخیر کا مطلب۔ تھم گئی: رک گئی۔ تڑپ: بے چین رہنے کی حالت۔ سیماب: پارا۔ سیمِ خام: کچی چاندی۔ بتِ ہستی: وجود کا بت۔ ابراہیم عشق: عشق کو حضرت ابراہیمؑ سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے بت خانہ میں رکھے ہوئے بت توڑ ڈالے تھے۔ ہوش: عقل/ حواس بجا ہونا۔ وا رُو: دوا۔ تسنیم: جنت کی ایک ندی۔

طلبہ علی گڑھ کے نام

اَوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سُن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے

آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکُوں
کہتا تھا مُورِ ناتواں لطفِ خرام اور ہے

جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا
اس کا مقام اور ہے، اس کا نظام اور ہے

موت ہے عیشِ جاوداں، ذوقِ طلب اگر نہ ہو
گردشِ آدمی ہے اور، گردشِ جام اور ہے

شمعِ سحَر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز
غم کدۂ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

بادہ ہے نیم رس ابھی، شوق ہے نارسا ابھی
رہنے دو خُم کے سر پہ تم خشتِ کلیسیا ابھی

طلب: جمع طالب، مراد طالب علم۔علی گڑھ کالج: برصغیر کا مشہور کالج جواب علی گڑھ یونیورسٹی ہے۔سر سید احمد خان مرحوم نے اس کی بنیاد رکھی۔اَوروں: جمع اور، دوسروں۔عشق کا دردمند: مراد عشق کے جذبے سے سرشار۔ طرزِ کلام: بات کرنے کا طریقہ۔طائرِ زیرِ دام: جال میں پھنسا ہوا پرندہ، عشق کے جذبوں سے خالی۔ طائرِ بام: چھت پر بیٹھا ہوا پرندہ، مراد مومن۔کوہ: پہاڑ۔رازِ حیات: زندگی کی حقیقت۔سکوں: ٹھہراؤ، ایک جگہ ٹکے رہنا۔ہو رہا تواں: کمزور، چیونٹی۔لطفِ خرام: چلنے یعنی حرکت میں رہنے کا مزہ۔جذبِ حرم: کعبہ کی کشش، مرکز اسلام سے وابستگی۔فروغ: روشنی، رونق۔انجمنِ حجاز: مراد ملتِ اسلامیہ۔مقام: مرتبہ، شان۔نظام: طور طریقے۔ عیشِ جاوداں: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی۔ذوقِ طلب: مراد دنیاوی خواہشات رکھنا۔گردشِ آدمی: انسان کا چلنا پھرنا۔سوز: مراد عشق کی تپش۔زندگی کا ساز: زندگی کی کامیابی کا سامان۔غمکدۂ نمود: مراد دنیا جو دکھوں کا گھر ہے۔شرطِ دوام: ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے کی پابندی۔بادہ: شراب۔نیم رس: آدھ پکی۔شوق: جذبہ عشق۔نارسا: بے اثر۔خُم: مٹکا۔سر پہ: اُوپر۔خشتِ کلیسیا: گرجے کی اینٹ، مراد یورپی تہذیب کا اثر لینا۔

اخترِ صبح

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا
مِلی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ مِلی
ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شے
اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ مِلی

بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفَس حباب کا، تابندگی شرارے کی

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ جبینِ سحر!
غمِ فنا ہے تجھے! گنبدِ فلک سے اُتر
ٹپک بلندیِ گردُوں سے ہمرہِ شبنم
مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور

میں باغباں ہوں، محبت بہار ہے اس کی
بِنا مثالِ ابد پائدار ہے اس کی

اخترِ صبح: ایک خاص ستارہ جو صبح کے وقت طلوع اور بہت روشن ہوتا ہے۔ فرصتِ نظر: دیکھنے کی مہلت۔ دمِ آفتاب: سورج کا وجود۔ تہِ دامنِ سحر: صبح کے پلّو کے نیچے، مراد صبح کے وقت۔ بساط: اوقات، حوصلہ۔ نفَس: مراد وجود۔ حباب: بلبلا۔ تابندگی: چمک۔ جبینِ سحر: صبح کا ماتھا۔ غمِ فنا: مٹنے کا دکھ۔ گنبدِ فلک: مراد آسمان۔ بلندیِ گردُوں: آسمان کی اُونچائی۔ ہمرہِ شبنم: اوس کے ساتھ۔ ریاضِ سخن: شاعری کا باغ۔ جاں پرور: روح کو تازہ کرنے والا۔ بِنا: بنیاد۔ مثالِ ابد: ہمیشگی کی طرح۔

حُسن و عشق

جس طرح ڈُوبتی ہے کشتیِ سیمینِ قمر
نورِ خورشید کے طوفان میں ہنگامِ سحَر
جیسے ہو جاتا ہے گُم، نور کا لے کر آنچل
چاندنی رات میں مہتاب کا ہم رنگ کنول
جلوۂ طُور میں جیسے یدِ بیضائے کلیم
مَوجۂ نکہتِ گُلزار میں غنچے کی شمیم
ہے ترے سیلِ محبت میں یونہی دل میرا

تُو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہُوں میں
حُسن کی برق ہے تُو، عشق کا حاصل ہُوں میں
تُو سحَر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شامِ غربت ہُوں اگر مَیں تو شفق تُو میری
مرے دل میں تری زُلفوں کی پریشانی ہے
تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے
حُسن کامل ہے ترا، عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغِ سخن کے لیے تُو بادِ بہار
میرے بے تاب تخیل کو دیا تُو نے قرار
جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں
حُسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریکِ کمال
تجھ سے سرسبز ہوئے میری اُمیدوں کے نہال

قافلہ ہو گیا آسُودۂ منزل میرا

کشتیِ سیمینِ قمر: چاندی کی چاندی ایسی سفید کشتی۔ نورِ خورشید: سورج کی روشنی۔ طوفان: مراد تیزی۔ ہنگامِ سحر: صبح کے وقت۔ آنچل: دوپٹا۔ مہتاب کا ہم رنگ: چاندنی جیسے رنگ والا، سفید۔ کنول: سفید رنگ کا پھول۔ جلوۂ طُور: طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی جو حضرت موسیٰؑ نے دیکھی۔ یدِ بیضا: سفید ہاتھ، حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ۔ کلیم: مراد حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ۔ موجہ: لہر۔ نکہت گلزار: باغ کی خوشبو۔ شمیم: خوشبو، مہک۔ سیلِ محبت: محبت کی طغیانی۔ ہنگامۂ محفل: محفل کی رونق۔ برق: بجلی۔ حاصل: فصل، پیداوار۔ اشک: آنسو۔ غربت: پردیس۔ شفق: آسمان پر صبح اور شام پھیلنے والی سُرخی۔ پریشانی: بکھرے ہونے کی حالت۔ حیرانی: کسی چیز میں کھو جانا۔ باغِ سخن: شاعری کا باغ یعنی شاعری۔ بادِ بہار: موسمِ بہار کی (خوشگوار) ہوا۔ بیتاب: بے چین۔ تخیل: خیال کی قوت۔ جوہر: آئینے کی چمک دمک، خوبی۔ فطرت: مزاج، پیدائش۔ تحریکِ کمال: مکمل ہونے کی رغبت دلانا۔ سرسبز: تروتازہ۔ نہال: درخت۔ آسودۂ منزل: اپنے ٹھکانے پر آرام سے پہنچ جانے والا۔

......کی گود میں بلّی دیکھ کر

تجھ کو دُزدیدہ نگاہی یہ سِکھا دی کس نے
رمز آغازِ محبت کی بتا دی کس نے
ہر ادا سے تری پیدا ہے محبت کیسی
نیلی آنکھوں سے ٹپکتی ہے ذکاوت کیسی
دیکھتی ہے کبھی ان کو، کبھی شرماتی ہے
کبھی اُٹھتی ہے، کبھی لیٹ کے سو جاتی ہے
آنکھ تیری صفَتِ آئنہ حیران ہے کیا
نورِ آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا
مارتی ہے انھیں پونہچوں سے، عجب ناز ہے یہ
چھیڑ ہے، غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ؟
شوخ تُو ہوگی تو گودی سے اُتاریں گے تجھے
گِر گیا پھول جو سینے کا تو ماریں گے تجھے

کیا تجسّس ہے تجھے، کس کی تمنّائی ہے
آہ! کیا تُو بھی اسی چیز کی سَودائی ہے

خاص انسان سے کچھ حُسن کا احساس نہیں
صورتِ دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں مکیں

شیشۂ دہر میں مانندِ مَےِ ناب ہے عشق
رُوحِ خورشید ہے، خونِ رگِ مہتاب ہے عشق

دلِ ہر ذرّہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی
نور یہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

کہیں سامانِ مسرّت، کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے، کہیں اشک، کہیں شبنم ہے

دُزدیدہ نگاہی: انکھیوں سے دیکھنے کی کیفیت۔ رمز: بھید۔ آغاز: شروع۔ ادا: انداز، ناز۔ ذکاوت: ذہن کی تیزی، ذہانت۔ ٹپکنا: مراد ظاہر ہونا۔ صفتِ آئنہ: آئینے کی طرح۔ نورِ آگاہی: باخبری کی روشنی۔ عجب ناز: حیران کرنے والی ادا۔ شوخ: شریر۔ تجسّس: کھوج، تلاش۔ تمنّائی: خواہش رکھنے والی۔ سودائی: شیدائی، دیوانی۔ احساس: محسوس کرنے کی حالت۔ صورتِ دل: دل کی طرح۔ باطن: اندر، ضمیر۔ مکیں: رہنے والا۔ شیشۂ دہر: زمانے کی صُراحی، زمانہ۔ مَےِ ناب: خالص شراب۔ خورشید: سورج۔ رگِ مہتاب: چاند کی نس/لا شعا۔ پوشیدہ: چھپی ہوئی۔ کسک: ٹیس، درد۔ جھلک: چمک۔ سامانِ مسرّت: خوشی کا سبب۔ سازِ غم: دکھ کا سامان۔ گوہر: موتی۔ اشک: آنسو۔ شبنم: اوس۔

کلی

جب دِکھاتی ہے سحر عارضِ رنگیں اپنا
کھول دیتی ہے کلی سینۂ زرّیں اپنا
جلوہ آشام ہے یہ صبح کے مے خانے میں
زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں
سامنے مہر کے دل چیر کے رکھ دیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے
مرے خورشید! کبھی تو بھی اُٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظّارہ تڑپتی ہے نگاہِ بے تاب
تیرے جلوے کا نشیمن ہو مرے سینے میں
عکس آباد ہو تیرا مرے آئینے میں
زندگی ہو ترا نظّارہ مرے دل کے لیے
روشنی ہو تری گہوارہ مرے دل کے لیے

ذرّہ ذرّہ ہو مرا پھر طرَب اندوزِ حیات
ہو عیاں جوہرِ اندیشہ میں پھر سوزِ حیات
اپنے خورشید کا نظّارہ کروں دُور سے میں
صفَتِ غُنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں
جانِ مُضطر کی حقیقت کو نمایاں کر دوں
دل کے پوشیدہ خیالوں کو بھی عُریاں کر دوں

سحر: صبح۔ عارض: گال، چہرہ۔ سینۂ زرّیں: سنہری سینہ۔ سینہ کھولنا: مراد کھلنا۔ جلوہ آشام: جلوے کی خواہش مند۔ خورشید، مہر: سورج۔ پیمانہ: پیالہ۔ دل چیر کے رکھ دینا: مراد کلی کا کھلنا۔ سینہ شگافی: سینے کا پھٹنا، مراد کھلنے کا عمل۔ خورشید: مراد محبوب۔ بہرِ نظّارہ: دیکھنے کے لیے۔ نشیمن: گھونسلا، ٹھکانا۔ آباد ہونا: مراد پڑنا۔ زندگی ہونا: مراد قوت / طاقت کا باعث ہونا۔ گہوارہ: پنگوڑا۔ طرب اندوزِ حیات: زندگی کی خوشیاں حاصل کرنے والا۔ جوہرِ اندیشہ: غور و فکر کی اصل / جڑ۔ سوزِ حیات: زندگی کی تپش / حرارت۔ صفت غنچہ: کلی کی طرح۔ ہم آغوش: مراد ساتھ مل کر رہنے والا۔ جانِ مضطر: بے چین روح۔ حقیقت: اصلیت، کیفیت۔ عُریاں: ننگے مراد ظاہر۔

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے

نظّارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا، چلنا، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے

رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب
تارے، انساں، شجر، حجر سب

ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا
منزل کبھی آئے گی نظر کیا

کہنے لگا چاند، ہم نشینو
اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حسن
آغاز ہے عشق، انتہا حسن

دَمِ سحر: صبح کی پھونک۔ فلک: آسمان۔ مدام: ہمیشہ۔ ستم کشِ سفر: چلتے رہنے کی سختیاں سہنے والے۔ شجر: درخت۔ حجر: پتھر۔ ہم نشینو: جمع ہم نشین، ساتھیو۔ مزرعِ شب: رات کی کھیتی/فصل۔ خوشہ چینو: جمع خوشہ چین، فصل کٹنے کے بعد گرے ہوئے دانے وغیرہ اٹھانے والے/والو۔ جنبش: حرکت۔ رسمِ قدیم: پرانا دستور/طور طریقہ۔ اشہب: گھوڑا۔ طلب: خواہش، تمنا۔ تازیانہ: چابک۔ مقام: ٹھہرنا، رکنا۔ بے محل: بے موقع/وقت۔ قرار: ٹھہراؤ۔ اجل: موت۔ چلنے والے: مراد حرکت میں رہنے/عمل کرنے والے۔ کچل جانا: پس جانا۔ خرام: ٹہلنا، چلنا۔ آغاز: شروع۔ انتہا: اخیر، انجام

وِصال

جستجو جس گُل کی تڑپاتی تھی اے بُلبل مجھے
خوبیِ قسمت سے آخر مِل گیا وہ گُل مجھے
خود تڑپتا تھا، چمن والوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا، شرماتا تھا میں
میرے پہلو میں دلِ مضطر نہ تھا، سیماب تھا
ارتکابِ جُرمِ اُلفت کے لیے بے تاب تھا
نامرادی محفلِ گُل میں مری مشہور تھی
صبح میری آئنہ دارِ شبِ دیجور تھی
از نفَس در سینۂ خوں گشتہ نشتر داشتم ☆
زیرِ خاموشی نہاں غوغاے محشر داشتم
اب تاثّر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گُلشن پر گراں میری غزل خوانی نہیں

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے

غازۂ اُلفت سے یہ خاکِ سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدمِ دیرینہ ہے

قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لُٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی

ضَو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی ☆☆
اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا وا سوختی

وصال: دو محبت کرنے والوں کی ملاقات۔ خوبیِ قسمت: مراد خوش قسمتی۔ گُل: پھول۔ رنگیں نوا: پُر سوز نغمہ الاپنے والا۔ پہلو: مراد سینہ۔ دلِ مضطر: بے چین دل۔ سیماب: پارہ، وہ دھات جو ہلتی رہتی ہے۔ ارتکابِ جُرم: قصور/ گناہ کرنا۔ اُلفت: محبت۔ نامرادی: بے نصیب ہونا، محرومی۔ آئینہ دار: عیب یا خوبی ظاہر کرنے والا۔ شبِ دیجور: کالی اور لمبی رات۔

☆ میرے خون شدہ سینے میں سانس نشتر کی طرح چل رہا تھا۔ میری خاموشی کے نیچے قیامت کا شور برپا تھا

☆☆ اے محبوب! تو نے ایک نظر ڈالی اور مجھے فنا ہونے کے طور طریقے سکھا دیے۔ وہ دن بڑا مبارک دن تھا جب تو نے میری گھاس پھونس کو جلا ڈالا تھا۔

سُلیمیٰ

جس کی نمود دیکھی چشمِ ستارہ بیں نے
خورشید میں، قمر میں، تاروں کی انجمن میں

صُوفی نے جس کو دل کے ظلمت کدے میں پایا
شاعر نے جس کو دیکھا قُدرت کے بانکپن میں

جس کی چمک ہے پیدا، جس کی مہک ہویدا
شبنم کے موتیوں میں، پھولوں کے پیرہن میں

صحرا کو ہے بسایا جس نے سکوت بن کر
ہنگامہ جس کے دَم سے کاشانۂ چمن میں

ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اس کا
آنکھوں میں ہے سُلیمیٰ! تیری کمال اس کا

سلیمیٰ: غالباً کوئی محبوبہ مراد ہے۔ نمود: ظاہر ہونے کی حالت۔ ستارہ بیں: ستاروں کو دیکھنے والا، نجومی۔ قمر: چاند۔ جس کو: مراد محبوبِ حقیقی (خدا) کو۔ ظلمت کدہ: تاریک/اندھیرا گھر۔ بانکپن: بانکا البیلا ہونا۔ پیدا: ظاہر۔ مہک: خوشبو۔ ہویدا: ظاہر۔ شبنم: اوس۔ پیرہن: لباس۔ بسانا: آباد کرنا۔ سکوت: خاموشی۔ ہنگامہ: رونق۔ کاشانہ: گھر۔ دَم: مراد وجہ۔ نمایاں: ظاہر۔ جمال: حسن۔ کمال: مکمل ہونے کی حالت، مہارت۔

عاشقِ ہرجائی

(۱)

ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبالؔ تُو
رونقِ ہنگامۂ محفل بھی ہے، تنہا بھی ہے

تیرے ہنگاموں سے اے دیوانۂ رنگیں نوا!
زینتِ گلشن بھی ہے، آرائشِ صحرا بھی ہے

ہم نشیں تاروں کا ہے تُو رفعتِ پرواز سے
اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلک پیما بھی ہے

عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز
کچھ ترے مسلک میں رنگِ مشربِ مِینا بھی ہے

مثلِ بُوئے گُل لباسِ رنگ سے عُریاں ہے تُو
ہے تو حکمت آفریں، لیکن تجھے سَودا بھی ہے

جانبِ منزل رواں بے نقشِ پا مانندِ موج
اور پھر اُفتادہ مثلِ ساحلِ دریا بھی ہے

حُسنِ نسوانی ہے بجلی تیری فطرت کے لیے
پھر عجب یہ ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے

تیری ہستی کا ہے آئینِ تفنّن پر مدار
تُو کبھی ایک آستانے پر جبیں فرسا بھی ہے؟

ہے حسینوں میں وفا ناآشنا تیرا خطاب
اے تلوّن کیش! تُو مشہور بھی، رُسوا بھی ہے

لے کے آیا ہے جہاں میں عادتِ سیماب تُو
تیری بے تابی کے صدقے، ہے عجب بے تاب تُو

(۲)

عشق کی آشفتگی نے کر دیا صحرا جسے
مُشتِ خاک ایسی نہاں زیرِ قبا رکھتا ہُوں میں

ہیں ہزاروں اس کے پہلو، رنگ ہر پہلو کا اور
سینے میں ہیرا کوئی ترشا ہوا رکھتا ہُوں میں

دل نہیں شاعر کا، ہے کیفیّتوں کی رستخیز
کیا خبر تجھ کو، درُونِ سینہ کیا رکھتا ہُوں میں

آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
مضطرب ہوں، دل سکوں نا آشنا رکھتا ہُوں میں

گو حسینِ تازہ ہے ہر لحظہ مقصودِ نظر
حُسن سے مضبوط پیمانِ وفا رکھتا ہُوں میں

بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیاز
سوز و سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہُوں میں

موجبِ تسکیں تماشائے شرارِ جستہ اے
ہو نہیں سکتا کہ دل برق آشنا رکھتا ہُوں میں

ہر تقاضا عشق کی فطرت کا ہو جس سے خموش
آہ! وہ کامل تجلّی مُدّعا رکھتا ہُوں میں

جستجو کُل کی لیے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
حُسن بے پایاں ہے، دردِ لا دوا رکھتا ہُوں میں

زندگی اُلفت کی درد انجامیوں سے ہے مری
عشق کو آزادِ دستورِ وفا رکھتا ہُوں میں

سچ اگر پُوچھے تو افلاسِ تخیل ہے وفا
دل میں ہر دَم اک نیا محشر بپا رکھتا ہُوں میں

فیضِ ساقی شبنم آسا، ظرفِ دل دریا طلب
تشنۂ دائم ہوں آتش زیرِ پا رکھتا ہُوں میں

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں، اپنے مصوّر سے گِلا رکھتا ہُوں میں

محفلِ ہستی میں جب ایسا تنک جلوہ تھا حُسن
پھر تخیّل کس لیے لا انتہا رکھتا ہُوں میں

در بیابانِ طلب پیوستہ می کوشیم ما
موجِ بحریم و شکستِ خویش بر دوشیم ما ☆

---

(۱)

ہرجائی: مراد بے وفا۔ مجموعۂ اضداد: جس میں ایک دوسرے کی مخالف عادتیں جمع ہوں۔ عجب: حیران کرنے والا۔ رونقِ ہنگامۂ محفل: محفل کے شور شرابے کی رونق۔ تنہا: دوسروں سے الگ تھلگ رہنے والا۔ دیوانہ: سودائی، عاشق۔ رنگیں نوا: دل کش شعر کہنے والا۔ رفعتِ پرواز: اُڑان کی بلندی۔ زمیں فرسا: مراد زمین پر چلنے والا۔ فلک پیما: آسمان پر چلنے والا۔ عین: مراد ایک ہی وقت۔ شغلِ مے: شراب پینے کا مشغلہ۔ سجدہ ریز: سجدے میں گرا ہوا۔ مسلک: راستہ، مذہب۔ رنگ: انداز، طریقہ۔ مشربِ مینا: شراب کی صراحی کا مذہب۔ لباسِ رنگ: مراد دکھاوا، ظاہری ٹیپ ٹاپ۔ عُریاں: ننگا، لباس کے بغیر۔ حکمت آفریں: عقل و دانش کی باتیں کرنے والا، فلسفی۔ رَواں: چلنے / بہنے والا۔ بے نقشِ پا: پاؤں کے نشانوں کے بغیر۔ مانندِ موج: لہر کی طرح۔ اُفتادہ: گرا ہوا۔ ساحلِ دریا: سمندر کا کنارہ۔ حُسنِ نسوانی: عورت کی خوبصورتی۔ بجلی: مراد آفت۔ فطرت: طبیعت۔ عجب: حیرانی کی بات۔ بے پروا: پروا نہ کرنے والا۔ ہستی: زندگی۔ آئینِ تفنّن: ہنسی مذاق / دل لگی کا دستور۔ مدار: انحصار۔ آستانہ: چوکھٹ۔ جبیں فرسا: ماتھا رگڑنے والا۔ وفا نا آشنا: وفا سے ناواقف / بے خبر۔ خطاب: وہ خاص نام جس سے کسی کو بلایا جائے۔ تلوّن کیش: جس کا مزاج بدلتا رہے، عادت۔ سیماب: پارے کی طرح بے چین

طبیعت،صدقے: واری،قربان۔

(۲)

آشفتگی: بکھرے ہونے کی حالت، دیوانگی۔مشتِ خاک: مراد دل۔قبا: ایک خاص قسم کا لمبا اور کھلا لباس۔پہلو: مراد انداز۔رنگ: کیفیت۔اَور: دوسری، الگ۔کیفیتوں: جمع کیفیت، حالتوں۔رَستخیز: قیامت۔درُونِ سینہ: دل کے اندر۔مضطرب: بے چین۔سکوں نا آشنا: جسے آرام کی خبر نہ ہو، بے چین۔گو: اگرچہ۔حسینِ تازہ: نیا محبوب۔مقصودِ نظر: مراد دیکھنے کی آرزو۔پیمانِ وفا: وفا کا عہد۔نیاز: عاجزی۔سوز و سازِ جستجو: مراد عشق کی تپش اور اس کا مزہ۔مثلِ صبا: ہوا کی طرح۔موجبِ تسکین: سکون/ راحت کا باعث۔تماشائے شرارِ جستہ: کسی اُچھلتی ہوئی چنگاری کو دیکھنا۔برق آشنا: مراد حسنِ مطلق سے لگاؤ رکھنے والا۔خموش: خاموش مراد ختم یا پورا۔کامل تجلّی: مکمل دیدار۔مُدعا: آرزو۔کُل: تمام، مراد خدا تعالیٰ۔اجزا: جمع جُز، حصے، مراد کائنات کی ہر مخلوق خدا کی ذات کا حصہ ہے۔ بے پایاں: جس کی کوئی حد نہ ہو۔دردِ لا دوا: ایسا غم/ دکھ جس کا کوئی علاج نہ ہو۔دردِ انجامی: جس کا انجام/ اخیر غم پر ہو۔دستورِ وفا: وفا کا قاعدہ قانون۔افلاسِ تخیل: سوچ کی قوت جس منزل پر ہے اس سے آگے بڑھنے سے اس کا محروم ہونا۔بپا رکھنا: برقرار/ قائم رکھنا۔فیضِ ساقی: شراب پلانے والے کی سخاوت۔شبنم آسا: اوس جیسا۔ظرف: برتن، حوصلہ۔دریا طلب: دریا مانگنے والا۔تشنۂ دائم: ہمیشہ کا پیاسا۔آتش زیرِ پا رکھنا: بہت بے چین/ بے قرار ہونا۔نکتہ چیں: عیب ڈھونڈنے والا۔نقش: تصویر۔مُصوّر: تصویر بنانے والا، مراد خدا۔گلا: گلہ، شکایت۔محفلِ ہستی: مراد دنیا۔تنک جلوہ: مراد تھوڑی دیر تک رہنے والا۔تخیل: لفظی طور پر خیال میں لانا۔لا انتہا: جس کی کوئی حد/ اخیر نہ ہو۔

☆ خواہش/ خواہشوں کے بیابان میں ہم لگاتار کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ہم سمندر کی لہر ہیں اور اپنی ٹوٹ پھوٹ (خواہشوں کا پورا نہ ہونا) اپنے کندھوں پر لیے ہوتے ہیں۔

کوششِ ناتمام

فُرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کے لیے

رہتی ہے قیسِ روز کو لیلیِ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لیے

کہتا تھا قطبِ آسماں قافلۂ نجوم سے
ہمرہو، میں ترس گیا لطفِ خرام کے لیے

سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لیے

حُسنِ ازل کہ پردۂ لالہ و گُل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لیے

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

فرقتِ آفتاب: سورج کی جدائی۔ پیچ و تاب کھانا: بے چین ہونا۔ چشمِ شفق: آسمان کی سرخی کی آنکھ مراد خود شفق۔ خوں فشاں: خون بکھیرنے والی۔ اخترِ شام: شام کا ستارہ۔ قیسِ روز: دن کا مجنوں (قیس، مجنوں کا نام تھا)۔ لیلیٰ شام: شام/رات کی لیلیٰ۔ تابِ دوام: ہمیشہ کی چمک۔ قطبِ آسماں: آسمان کا قطب نامی ستارہ جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا۔ نجوم: جمع نجم، ستارے۔ ہمرہو: جمع ہمرہ، ہمراہی، ساتھیو۔ لطفِ خرام: ٹہلنے یعنی چلنے کا مزہ۔ سوتوں: جمع سوت، پانی کے چشمے۔ موجۂ بحر: سمندر کی لہر/لہریں۔ تپش: تڑپ، بے چینی۔ ماہِ تمام: پورا چاند جس سے سمندر میں اونچی لہریں اٹھتی ہیں۔ حُسنِ ازل: مراد قدرت کی خوبصورتی/جمال۔ لالہ و گل: مراد پھول، پودے وغیرہ۔ جلوۂ عام: مراد کھلا دیدار۔ رازِ حیات: زندگی کی حقیقت۔ خضر: حضرت خضرؑ، ایک روایتی پیغمبر جنھوں نے آبِ حیات پیا۔ خجستہ گام: مبارک قدموں والا۔

نوائے غم

زندگانی ہے مری مثلِ ربابِ خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش

بربطِ کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں نغموں کے مزار

محشرستانِ نوا کا ہے اَمیں جس کا سکوت
اور منّت کشِ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

آہ! اُمید محبت کی بَر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

مگر آتی ہے نسیمِ چمنِ طور کبھی
سمتِ گردُوں سے ہَوائے نَفَسِ حور کبھی

چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے رِہا روحِ گرفتارِ حیات

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اُٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ دَرا اُٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رَم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

امیں: امانت رکھنے والا، حفاظت کرنے والا۔ سکوت: خاموشی۔ مِنّت کشِ ہنگامہ: شور شرابے کا احسان اُٹھانے والا۔ اُمید بَر آنا: خواہش/آرزو پوری ہونا۔ مضراب: چھلا جس سے ستار بجاتے ہیں۔ نسیم: صبح کی نرم ہوا۔ چمنِ طور: طور کا باغ، جہاں موسیٰؑ نے خدا کا جلوہ دیکھا۔ گردُوں: آسمان۔ نَوائے نفسِ حور: حور کے سانس کی آواز۔ تار چھیڑنا: ساز بجانا۔ حیات: زندگی۔ رِہا: آزاد۔ گرفتارِ حیات: زندگی میں قید۔ نغمۂ یاس: نا اُمیدی/مایوسی کی لے۔ صدا: آواز۔ بانگِ درا: قافلے کے روانہ ہوتے وقت گھنٹی کی آواز۔ رفعت: بلندی، بڑائی۔ مذاقِ رم: مراد اُڑ جانے کا ذوق/شوق۔

عشرتِ امروز

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیامِ عیش و سرور
نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور

فراقِ حور میں ہو غم سے ہمکنار نہ تُو
پری کو شیشۂ الفاظ میں اُتار نہ تُو

مجھے فریفتۂ ساقیِ جمیل نہ کر
بیانِ حور نہ کر، ذکرِ سلسبیل نہ کر

مقامِ امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں
شباب کے لیے موزُوں ترا پیام نہیں

شباب، آہ! کہاں تک اُمیدوار رہے
وہ عیش، عیش نہیں، جس کا انتظار رہے

وہ حُسن کیا کہ جو محتاجِ چشمِ بینا ہو
نمود کے لیے منّت پذیرِ فردا ہو

عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا
عقیدہ 'عشرتِ امروز' ہے جوانی کا

عشرت: عیش/ خوشی۔ امروز: آج/ حال: سوت۔ عیش و سرور: سُکھ چین اور خوشی۔ نقشہ کھینچنا: منظر کشی کرنا۔ شرابِ طہور: پاکیزہ شراب جو جنت میں ملے گی۔ فراق: جدائی۔ حور: حورا کی جمع، جنت کی خوبصورت عورتیں۔ ہمکنار رہونا: بغل گیر ہونا، مراد ڈوبنا (غم میں)۔ پری: قصہ کہانی کی خوبصورت عورت جو اُڑتی بھی ہے۔ شیشۂ الفاظ میں اُتارنا: لفظوں میں قابو کرنا۔ فریفتہ: دیوانہ، عاشق۔ جمیل: حسین، خوبصورت۔ بیان: ذکر۔ سلسبیل: بہشت کی ایک نہر۔ مقامِ امن: سکون اور آرام کی جگہ۔ مجھے کلام نہیں: مجھے شک/ اعتراض نہیں۔ شباب: جوانی۔ موزوں: مناسب، ٹھیک۔ اُمیدوار: تمنا رکھنے والا۔ محتاج: حاجت مند۔ چشمِ بینا: دیکھنے والی آنکھ۔ منّت پذیر: احسان اُٹھانے والا۔ فردا: آنے والا کل، مستقبل۔ احساس: کسی حِس کے ذریعے معلوم کرنا۔ عقیدہ: دل میں جمایا ہوا یقین، ایمان۔

انسان

قُدرت کا عجیب یہ ستم ہے!

انسان کو راز جُو بنایا — راز اس کی نگاہ سے چُھپایا

بے تاب ہے ذوق آگہی کا — کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آغاز و انتہا ہے

آئینے کے گھر میں اور کیا ہے

ہے گرمِ خرام موجِ دریا — دریا سُوئے بحر جادہ پیما

بادل کو ہَوا اُڑا رہی ہے — شانوں پہ اُٹھائے لا رہی ہے

تارے مستِ شرابِ تقدیر — زندانِ فلک میں پا بہ زنجیر

خورشید، وہ عابدِ سحر خیز — لانے والا پیامِ 'برخیز'

مغرب کی پہاڑیوں میں چُھپ کر — پیتا ہے مَۓ شفق کا ساغر

لذت گیرِ وجود ہر شے — سرمستِ مَۓ نمود ہر شے

کوئی نہیں غم گسارِ انساں

کیا تلخ ہے روزگارِ انساں!

عجیب ستم: انوکھا ظلم، سختی۔ راز جو: حقیقت تلاش کرنے والا۔ ذوق: شوق، لطف۔ آگہی: آگاہی، باخبری۔ گرمِ خرام: چلنے میں مصروف۔ سوئے بحر: سمندر کی طرف۔ جادہ پیما: راستہ ناپنے/ چلنے والا۔ شانوں: جمع شانہ،

کندھے۔ مست: نشے میں، مدہوش۔ زندانِ فلک: آسمان کا قید خانہ۔ پا بہ زنجیر: جس کے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی ہو۔ خورشید: سورج۔ عابدِ سحر خیز: صبح سویرے اُٹھ کر عبادت کرنے والا، مراد طلوع ہونے والا۔ "سحر خیز": اُٹھ کھڑے ہو۔ مے شفق: آسمانی سُرخی کی شراب۔ لذت گیر وجود: زندگی کا لطف / مزہ اُٹھانے والی۔ سرمست: نشے میں چُور۔ مے نمود: ظاہر ہونے کی شراب۔ روزگار تلخ ہونا: وقت ناگوار ہونا۔

جلوۂ حُسن

جلوۂ حُسن کہ ہے جس سے تمنّا بے تاب
پالتا ہے جسے آغوشِ تخیّل میں شباب

ابدی بنتا ہے یہ عالمِ فانی جس سے
ایک افسانۂ رنگیں ہے جوانی جس سے

جو سِکھاتا ہے ہمیں سر بہ گریباں ہونا
منظرِ عالمِ حاضر سے گُریزاں ہونا

دُور ہو جاتی ہے اِدراک کی خامی جس سے
عقل کرتی ہے تاثّر کی غلامی جس سے

آہ! موجود بھی وہ حُسن کہیں ہے کہ نہیں
خاتمِ دہر میں یا رب وہ نگیں ہے کہ نہیں

تمنّا: آرزو۔آغوش: گود۔شباب: جوانی۔ابدی: ہمیشہ کا۔عالَمِ فانی: فنا ہونے/مٹنے والی دنیا۔افسانۂ رنگیں: دلچسپ کہانی۔سر بہ گریباں ہونا: سوچ بچار/غور کرنا۔منظر: نظّارہ۔عالَمِ حاضر: موجودہ دنیا۔گریزاں ہونا: بھاگنا، دُور ہونا۔اِدراک: عقل فہم، سمجھ۔خامی: مراد کمی، نقص۔تاثّر: اثر قبول کرنا۔خاتَمِ دہر: زمانے کی انگوٹھی۔ نگیں: نگینہ۔

ایک شام

(دریائے نیکر، ہائیڈل برگ، کے کنارے)

خاموش ہے چاندنی قمر کی   شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
وادی کے نوا فروش خاموش   کُہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے   آغوش میں شب کے سوگئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فُسوں ہے   نیکر کا خرام بھی سکوں ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے   یہ قافلہ بے درا رواں ہے
خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا   قُدرت ہے مُراقبے میں گویا

اے دِل! تُو بھی خموش ہوجا
آغوش میں غم کو لے کے سوجا

دریائے نیکر: جرمنی کے ایک دریا کا نام۔ ہائیڈل برگ: جرمنی کا مشہور شہر جس کی یونیورسٹی لائبریری میں پانچ لاکھ سے زیادہ کتب ہیں۔ قمر: چاند۔ چاندنی: روشنی۔ شجر: درخت۔ وادی: دو پہاڑوں کے درمیان کی زمین۔ نوا فروش: مراد چہچہانے والے، پرندے۔ کہسار: پہاڑی جگہ۔ سبز پوش: مراد درخت، پودے۔ بیہوش: بے سُدھ۔ شب: رات۔ فسوں: افسوں، جادو۔ خرام: مراد بہنا۔ سکوں: ٹھہراؤ، خاموشی۔ بے درا: گھنٹی (کی آواز) کے بغیر۔ رواں ہے: چل رہا ہے۔ کوہ: پہاڑ۔ دشت: جنگل۔ مراقبہ: مراد سوچوں میں ڈوبی ہوئی۔

تنہائی

تنہائیِ شب میں ہے حزیں کیا
انجم نہیں تیرے ہم نشیں کیا؟

یہ رفعتِ آسمانِ خاموش
خوابیدہ زمیں، جہانِ خاموش

یہ چاند، یہ دشت و در، یہ کہسار
فطرت ہے تمام نسترن زار

موتی خوش رنگ، پیارے پیارے
یعنی ترے آنسوؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہَوس ہے اے دل!
قُدرت تری ہم نفَس ہے اے دل!

حزیں: غمگین۔ انجم: جمع نجم، ستارے۔ رفعت: بلندی۔ خوابیدہ: سوئی ہوئی۔ دشت و در: جنگل اور بیابان۔ نسترن زار: جہاں سیوتی کے سفید پھول ہوں۔ خوش رنگ: اچھے رنگوں والے۔ شے: چیز۔ ہم نفس: ساتھی، دوست۔

پیامِ عشق

سُن اے طلب گارِ دردِ پہلو! میں ناز ہُوں، تُو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہُوں تُو سراپا ایاز ہو جا

نہیں ہے وابستہ زیرِ گردُوں کمالِ شانِ سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں، تُو بھی آئینہ ساز ہو جا

غرَض ہے پیکارِ زندگی سے کمال پائے ہلال تیرا
جہاں کا فرضِ قدیم ہے تُو، ادا مثالِ نماز ہو جا

نہ ہو قناعت شعار گُل چیں! اسی سے قائم ہے شان تیری
وفورِ گُل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

گئے وہ ایّام، اب زمانہ نہیں ہے صحرا نوَردِیوں کا
جہاں میں مانندِ شمعِ سوزاں میانِ محفل گداز ہو جا

وجود افراد کا مجازی ہے، ہستیِ قوم ہے حقیقی
فِدا ہو مِلّت پہ یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبالؔ آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غُبارِ راہِ حجاز ہو جا

دردِ پہلو: مراد دردِ دل، عشق۔ ناز: حسن، محبوب۔ نیاز: مراد عاشق۔ غزنوی: سلطان محمود غزنوی (۹۶۷ء۔ ۱۰۳۰ء) جس نے سومنات کے بت توڑے تھے، مراد بت شکن۔ سومناتِ دل: مراد دل کا بتخانہ۔ ایاز: سلطان محمود غزنوی کا غلام جس سے انھیں محبت تھی۔ زیرِ گردوں: آسمان کے نیچے، دنیا میں۔ شانِ سکندری: سکندر اعظم (یونانی) کا سا عزت و مرتبہ۔ آئینہ ساز: یعنی اپنے فن میں ماہر۔ پیکارِ زندگی: زندگی کی تگ و دو/ دوڑ دھوپ۔ کمال پانا: کامل/ پورا ہونا۔ ہلال: پہلی رات کا چاند۔ جہاں: دنیا۔ فرضِ قدیم: پرانا فرض۔ مثالِ نماز: نماز کی طرح۔ قناعت شعار: تھوڑی چیز پر خوش ہونے والا۔ گل چیں: پھول توڑنے والا۔ قائم: برقرار۔ وفورِ گُل: پھولوں کی کثرت۔ دامن دراز: لمبی جھولی والا۔ ایام: جمع یوم، دن۔ صحرا نوردیوں: جمع صحرا نوردی، جنگلوں بیابانوں میں پھرنا۔ شمعِ سوزاں: جلتی ہوئی موم بتی۔ میانِ محفل: محفل/ بزم کے اندر۔ گداز ہو جا: پگھل جا۔ وجود: زندگی۔ مجازی: جو حقیقی نہ ہو۔ ہستیِ قوم: قوم کا وجود۔ آتش زن: آگ لگانے والا۔ طلسمِ مجاز: مجاز کا جادو۔ فرقہ ساز: فرقہ پرست۔ آزری: بت تراشنا/ گھڑنا۔ دامن بچانا: کسی بُرائی سے بچ کے رہنا۔ غبارِ راہِ حجاز ہو جا: حجاز کے راستے کی گرد بن جا، مراد حضورِ اکرمؐ کے عشق میں ڈوب جا۔

فراق

تلاشِ گوشۂ عُزلت میں پھر رہا ہُوں مَیں
یہاں پہاڑ کے دامن میں آ چُھپا ہُوں مَیں

شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
دُعائے طِفلکِ گفتار آزما کی مثال

ہے تختِ لعلِ شفَق پر جلوسِ اخترِ شام
بہشتِ دیدۂ بینا ہے حُسنِ منظرِ شام

سکوتِ شامِ جُدائی ہُوا بہانہ مجھے
کسی کی یاد نے سِکھلا دیا ترانہ مجھے

یہ کیفیت ہے مری جانِ ناشکیبا کی
مری مثال ہے طفلِ صغیرِ تنہا کی

اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرود آغاز
صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیر کی آواز

یونہی میں دل کو پیامِ شکیب دیتا ہوں
شبِ فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

گوشۂ عزلت: تنہائی کا کونا۔ دامن: وادی۔ شکستہ گیت: پانی کے پہاڑ سے ٹکرا ٹکرا کر گرنے کی آواز۔ دلبری: دل کشی، دل لبھانے کا عمل۔ کمال: بہت زیادہ۔ طفلکِ گفتار آزما: وہ معصوم بچہ جو ابھی باتیں کرنا سیکھ رہا ہو۔ مثال: طرح، مانند۔ تختِ لعلِ شفق: دن اور شام کے وقت آسمان پر پھیلنے والی سُرخی کو سُرخ تخت کہا۔ جلوس: مراد تخت پر بیٹھنا۔ اختر: ستارہ۔ بہشتِ دیدۂ بینا: ظاہری آنکھ کے لیے بہشت کی مانند۔ حسنِ منظرِ شام: شام کے وقت کا خوبصورت نظارہ۔ شامِ جدائی: محبوب سے دُوری کی شام۔ ترانہ سکھانا: گانا سکھانا۔ کیفیت: حالت۔ ناشکیبا: بے چین، بیقرار۔ طفلِ صغیر: چھوٹا معصوم بچہ۔ سرود: گانا، مراد رونا۔ غیر: کوئی دوسرا۔ پیامِ شکیب: صبر/قرار کا پیغام۔ شبِ فراق: جدائی کی رات۔ گویا: جیسے۔ فریب دینا: دھوکا دینا۔

عبدالقادر کے نام

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفُقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں

اہلِ محفل کو دِکھا دیں اثرِ صَیقلِ عشق
سنگِ اِمروز کو آئینۂ فردا کر دیں

جلوۂ یوسفِ گُم گشتہ دِکھا کر ان کو
تپش آمادہ تر اَز خونِ زُلیخا کر دیں

اس چمن کو سبق آئینِ نمُو کا دے کر
قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں

رختِ جاں بُت کدۂ چیں سے اُٹھا لیں اپنا
سب کو محوِ رُخِ سُعدیٰ و سُلیمیٰ کر دیں

دیکھ! یثرِب میں ہُوا ناقۂ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نَو سے شناسا کر دیں

بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز
جگرِ شیشہ و پیمانہ و مِینا کر دیں

گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب جو داغ
چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کر دیں

شمع کی طرح جییں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

''ہر چہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع'' ☆

عبدالقادر: شیخ عبدالقادر جو اقبال کے پُرانے ساتھی تھے۔ ولادت بمقام لدھیانہ ۱۸۷۴ء۔ انھوں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا اُردو کا مشہور رسالہ ''مخزن'' نکالا۔ وہ اُردو ادب کے محسن تھے۔ وفات ۹ فروری ۱۹۵۰ء بمقام لاہور۔ ظلمت: اندھیرا۔ اُفقِ خاور: مشرق کا آسمانی کنارہ۔ بزم: مراد مُلک، عوام۔ شعلہ نوائی: دلوں میں عمل کی آگ تیز کرنے والی شاعری۔ فریاد: مراد پُرجوش شاعری۔ سپند: سیاہ دانہ: جو آگ پر پڑنے سے چٹختا ہے۔ بساط: حیثیت۔ ہنگامہ: مراد کوشش، جدوجہد۔ تہ و بالا کرنا: مراد انقلاب پیدا کر دینا۔ صیقل: پالش، زنگ صاف کرنا۔ سنگِ امروز: آج، حال کا پتھر۔ آئینۂ فردا: مستقبل کا آئینہ۔ یوسفِ گم گشتہ: کھویا ہوا یوسفؑ، مراد پُرانے صاحبِ کمال بزرگ جنھیں لوگ بھول گئے ہیں۔ تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا: مراد پرانے بزرگوں کی پیروی کے سلسلے میں زلیخا کے خون سے بھی زیادہ بیقرار۔ آئینِ نمو: بڑھنے پھولنے کا دستور، طریقہ۔ شبنم بے مایہ: بے

حقیقت اوس۔ دریا کر دیں: مراد بے حقیقت سے عظیم بنا دیں۔ رختِ جاں: روح کا سامان، مراد دل و جان۔ بتکدۂ چیں: مراد اسلام سے ہٹ کر ہر طرح کی رائج الوقت تعلیم وغیرہ۔ محو: مصروف، متوجہ۔ رخِ سعدیٰ و سلیمیٰ: عرب کی مشہور حسیناؤں سعدیٰ و سلیمیٰ کا چہرہ، مراد عرب (اسلامی) تہذیب و معاشرت کی خوبیاں۔ ناقۂ لیلیٰ بیکار رہوا: مراد اونٹوں پر سفر کا سلسلہ ختم ہوا (۱۹۰۸ء میں وہاں ریل آ گئی تھی)۔ قیس: مجنوں کا اصل نام، مراد مسلمان۔ آرزوئے نو: نئی تمنا، مراد ترقی کے جدید رجحانات۔ بادۂ دیرینہ: پرانی شراب، مراد اسلام اور حضور اکرمؐ سے محبت کا جذبہ۔ گداز کرنا: پگھلا دینا۔ جگر شیشہ و پیمانہ و مینا: مراد پوری اُمت مسلمہ کے دل۔ سردیٔ مغرب: مراد یورپ کی زندگی جو بے کیف اور جذبۂ عشق سے خالی ہے۔ داغ: حضور اکرمؐ سے محبت کی تپش / گرمی۔ وقفِ تماشا: مراد عام و خاص اس کو دیکھ لیں۔ بزم گہِ عالم: مراد دنیا۔ دیدۂ اغیار: مراد دوسرے لوگوں کی آنکھیں۔

☆ شمع (موم بتی) کے دل پر جو کچھ گزرتی ہے وہ زبان پر لے آتی ہے جلنا کوئی خیال نہیں ہے کہ شمع اسے چھپا کر رکھے۔ (یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے)

صقلیہ

(جزیرۂ سسلی)

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظُہور
کھا گئی عصرِ کُہن کو جن کی تیغِ ناصبور

مُردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہُوا
آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہُوا

غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

آہ اے سِسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تُو

زیب تیرے خال سے رُخسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلّی بحر پیما کو رہے

ہو سُبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تُو کبھی اُس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حُسنِ عالم سوز جس کا آتشِ نظّارہ تھا

نالہ کش شیراز کا بُلبل ہُوا بغداد پر
داغؔ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابنِ بدرُوں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

غم نصیب اقبالؔ کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں
تیرے ساحل کی خموشی میں ہے اندازِ بیاں

درد اپنا مجھ سے کہہ، مَیں بھی سراپا درد ہُوں
جس کی تُو منزل تھا، میں اُس کارواں کی گرد ہُوں

رنگ تصویرِ کہن میں بھر کے دِکھلا دے مجھے
قصّہ ایامِ سلَف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے

مَیں ترا تحفہ سُوئے ہندوستاں لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں، اَوروں کو وہاں رُلواؤں گا

صقلیہ: سسلی، بحیرۂ روم کا مشہور جزیرہ جہاں مسلمانوں نے زوردار حکومت کی۔ ابھی تک اسلامی تمدن کے آثار وہاں موجود ہیں۔ ۱۰۷۱ء کے بعد نارمنوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ دیدۂ خوننابہ بار: خالص خون برسانے/ رونے والی آنکھ۔ تہذیبِ حجازی: مراد اسلامی تہذیب و تمدن۔ مزار: مسلمانوں کی وہاں حکومت ختم ہونے کے سبب سے مزار (دفن ہونے کی جگہ) کہا۔ ہنگامہ: رونق، چہل پہل۔ صحرا نشین: مراد عرب مسلمان جو ریگستانوں میں رہا کرتے تھے۔ بازی گاہ: کھیلنے کی جگہ۔ سفینوں: جمع سفینہ، کشتیاں۔ تلواروں میں بجلیوں کے آشیانے: مراد تلواریں آسمانی بجلی کی طرح چمکدار اور فنا کرنے والی تھیں۔ جہانِ تازہ کا پیغام: مراد اسلامی تہذیب و تمدن۔ ظہور: ظاہر ہونا، مراد وہاں حکومت ہونا۔ عصرِ کہن: پرانا زمانہ، مراد اُس ملک کی اپنی تہذیب و معاشرت۔ تیغِ ناصبور: بے چین تلوار۔ مُردہ عالم: مراد جذبوں اور ولولوں سے عاری قوم۔ شورشِ ''قُم'': مراد اُن کے جوش انگیز نعرے (قُم: قرآنی آیت کا ایک لفظ۔ حضرت عیسیٰؑ ''اللہ کے حکم سے اُٹھ'' کہہ کر مُردے کو زندہ کرتے تھے)۔ زنجیرِ توہّم: وہم پرستی کی بیڑی یعنی وہم پرستی۔ غُلغلوں: جمع غُلغلہ، شور، بلند آواز۔ لذّت گیر: مزہ لینے والا۔ گوش: کان۔ رہنما: راستہ دکھانے والا۔ زیب: آرائش۔ خال: تل، مراد جزیرہ۔ رُخسارِ دریا: سمندر کا گال یعنی سمندر۔ بحر پیما: سمندر/ سمندروں کا سفر کرنے والا۔ سبب ہونا: مراد دل کشی کا سبب ہونا۔ مدام: ہمیشہ۔ گہوارہ: مراد مرکز۔ اُس قوم: مراد عرب مسلمان۔ حسنِ عالم سوز: دنیا کو جلانے والا حُسن، مراد دلوں میں عشق کی آگ بھڑکانے والا حُسن۔ آتشِ نظارہ: مراد جسے دیکھ کر آنکھیں چکاچوند ہو جائیں۔ نالہ کش: مراد ماتم کرنے/ رونے والا۔ شیراز کا بلبل: مراد شیخ سعدی، فارسی کا مشہور شاعر اور گلستان و بوستان کا مصنف

(۱۱۹۳ء۔۱۳۹۱ء)۔ بغداد پر: مراد خلافت عباسیہ (بغداد) کی تباہی و بربادی پر ایک دل ہلا دینے والا مرثیہ لکھا داغ: مراد داغ دہلوی، اُردو کا مشہور شاعر جس نے انگریزوں کے ہاتھوں دلی کے اُجڑنے پر "شہر آشوب" لکھا تھا۔ جہان آباد: دلی کا پرانا نام۔ دولت غرناطہ: ہسپانیہ کی ایک ریاست غرناطہ کی حکومت، یہ ریاست مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کی آخری یادگار تھی۔ یہ فتح ہوئی تو مسلمان ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لیے نکل گئے۔ ابن بدرُون: ایک مشہور عرب شاعر جس نے غرناطہ کی تباہی پر مرثیہ لکھا تھا (بعض کا خیال ہے یہ مرثیہ اس شاعر نے نہیں بلکہ ابو محمد عبدالمجید ابن عبدون ۸ھ ری (گیارھویں تا بارھویں صدی عیسوی) نے لکھا۔ دلِ ناشاد: غمزدہ دل۔ غم نصیب: جس کے مقدر میں غم ہو۔ ماتم ترا: یعنی صقلیہ کا ماتم۔ محرم: واقف حال۔ آثار: جمع اثر، نشانیاں، مراد عمارتیں وغیرہ۔ کس کی: اس سوال کا جواب ہے مسلمانوں کی۔ ساحل: سمندر کا کنارہ۔ اندازِ بیاں: بات کرنے کا ڈھنگ۔ سراپا: پورے طور پر۔ اُس کارواں: مراد مسلمانوں کا قافلہ یعنی ان کی حکومت۔ گرد: مٹی، مراد مسلم فاتحین کا عقیدت مند۔ تصویرِ کہن: پرانی تصویر، مراد اُس دَور کا نقش۔ قصہ: کہانی، مراد واقعات۔ ایامِ سلف: گزرے ہوئے دن (جب مسلمان وہاں حکمران تھے)۔ تحفہ: سوغات۔ اَوروں کو: یعنی دوسرے مسلمانوں کو۔

غزلیات

(۱)

زندگی انساں کی اک دَم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہَوا کی موج ہے، رَم کے سوا کچھ بھی نہیں

گُل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی، گِریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

رازِ ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دَم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

زائرانِ کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

دَم: سانس۔ رَم: بھاگنا، بھاگ اُٹھنا۔ تبسم: مسکرانے کی حالت۔ گریۂ غم: دکھ درد کا رونا۔ رازِ ہستی: زندگی کا بھید، یعنی زندگی کیا ہے؟ محرم: واقفِ حال۔ کھل گیا: ظاہر ہو گیا۔ دم: پل، گھڑی۔ زائران: جمع زائر، زیارت کرنے والے۔ حرم: کعبہ۔ زمزم: آبِ زمزم، زمزم وہ چشمہ جو کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان، حضرت اسمٰعیلؑ کی شیر خواری کے دنوں میں، پیاس کے سبب ان کے ایڑیاں رگڑنے سے پیدا ہوا تھا، یہ چشمہ آج بھی جاری اور کعبہ کے اندر ہے جہاں سے حاجی تحفے اور تبرک کے طور پر اس کا پانی لے کر آتے ہیں۔

الٰہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سِکھا دے
اسے ہے سودائے بخیہ کاری، مجھے سرِ پیرہن نہیں ہے

مِلا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے صبحِ ازل فرشتے
مثالِ شمعِ مزار ہے تُو، تری کوئی انجمن نہیں ہے

یہاں کہاں ہم نفَس میسّر، یہ دیس نا آشنا ہے اے دل!
وہ چیز تُو مانگتا ہے مجھ سے کہ زیرِ چرخِ کہن نہیں ہے

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمارؐ نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ مِلّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

کہاں کا آنا، کہاں کا جانا، فریب ہے امتیازِ عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری، کہیں ہمارا وطن نہیں ہے

مُدیرِ 'مخزن' سے کوئی اقبالؔ جا کے میرا پیام کہہ دے
جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں، اُنھیں مذاقِ سخن نہیں ہے

خجستہ پے: مبارک قدموں والی۔ دیوانگی: مرادعشق کا جذبہ۔ بخیہ کاری: ٹانکے بھرنا، مراد دنیا کے معاملات کو ٹھیک کرنا۔ سرِ پیرہن: لباس کی فکر۔ صبحِ ازل: مراد کائنات کے وجود میں آتے وقت۔ شمعِ مزار: قبر پہ جلنے والی

موم ہتی، مراد تنہا۔ انجمن: بزم، محفل، مراد ساتھی، دوست۔ ہم نفس: یعنی ساتھی۔ میسّر: حاصل۔ زیرِ چرخِ کہن: پرانے آسمان کے نیچے دنیا میں۔ نرالا: انوکھا، عجیب۔ عرب کا معمار: مراد حضور اکرمؐ۔ بِنا: بنیاد۔ حصارِ ملت: قوم کا قلعہ، مراد ملتِ اسلامیہ۔ اتحادِ وطن: مراد جغرافیائی حدود کو وطن قرار دینا۔ مخزن: اُردو کا وہ مشہور رسالہ جو سر شیخ عبدالقادر نے لاہور سے ۱۹۰۱ء میں جاری کیا۔ مذاقِ سخن: شعر و شاعری کا شوق/چسکا۔

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اُٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا

جو موجِ دریا لگی یہ کہنے، سفر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجھ کو سامان آبرو کا

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل، وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہُوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جو کا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنّا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے، نگار خانہ ہے آرزو کا

کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسمِ ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسمِ خاکی، غُبار تھا کُوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہُوں میں
نِگہ کو نظّارے کی تمنّا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گُل چیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدرد کیوں ہے انساں
تری نگاہوں میں ہے تبسّم شکستہ ہونا مرے سبو کا

ریاضِ ہستی کے ذرّے ذرّے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گُل کو تُو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بُو کا

تمام مضموں مرے پرانے، کلام میرا خطا سراپا
ہُنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جُو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا ہے، وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تُو جو چھیڑے
یقیں ہے مجھ کو گرے رگِ گُل سے قطرہ انسان کے لہو کا

گیا ہے تقلید کا زمانہ، مجاز رختِ سفر اُٹھائے
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا

جو گھر سے اقبالؔ دور ہوں میں، تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثالِ گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا

گفتگو کا محشر اُٹھنا: مراد انقلاب پیدا کرنے والی شاعری کا آغاز ہونا۔ حرفِ آرزو: تمنا کی بات۔ سفر: مراد چلتے رہنا۔ شان قائم رہنا: زندگی برقرار رہنا، زندگی کی علامت ہونا۔ صدف نشینی: سیپی میں رہنا۔ آبرو کا سامان: عزت کا باعث۔ قابل ہونا: اہلیت رکھنا۔ سروِ کنارِ جو: ندی کے کنارے اُگا ہوا سرو کا درخت۔ خوابیدہ: سوئی ہوئی۔ آرزو کا نگار خانہ: مراد مختلف اور بہت سی آرزوؤں کا گھر۔ کھلا: ظاہر ہُوا، پتا چلا۔ طلسمِ ہوس: ہوس کا جادو۔ جسمِ خاکی: مٹی کا بدن۔ کوئے آرزو: تمنا کا کوچہ / گلی۔ پنہاں: چھُپی ہوئی۔ سودا: جنون،

دیوانگی.جستجو: تلاش.گل چیں: پھول توڑنے والا.بیدرد: ظالم.تبسّم: مسکراہٹ.شکستہ ہونا: ٹوٹنا.سبو: پیالہ.
ریاضِ ہستی: وجود/ زندگی کا باغ.جلوہ: روشنی.پیمان: آپس میں ملنے کا عہد.رنگ و بو: رنگ اور خوشبو.عیب
جو: دوسروں میں بُرائیاں ڈھونڈنے والا.سپاس: شکر ادا کرنا.شرطِ ادب: احترام کے لیے لازمی بات.ستم:
ظلم.فریب خوردہ: جس نے دھوکا کھایا ہو.کمالِ وحدت: مراد ساری کائنات پورے طور پر ایک وحدت کی
حامل ہے.عیاں: ظاہر.نوکِ نشتر سے چھیڑنا: مراد نشتر سے چیرنا.مجاز: مراد اشاروں کنایوں میں بات.
رختِ سفر اُٹھانا: مراد چلنے/ ختم ہونے کے لیے تیار ہونا.حقیقت: اصل بات، اصلیت.یارا: ہمت، طاقت.
محزوں: غم زدہ.مثالِ گوہر: موتی کی طرح کہ سیپی سے نکل کر قیمتی بنتا ہے.فرقت: جدائی.

(۴)

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں

بلندی آسمانوں میں، زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں، اُفتادگی تیری کنارے میں

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلّم کی
چُھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں، ستارے میں

مجھے پھُونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
وہ سوداگر ہوں، مَیں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں

سکوں نا آشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یا رب چُھپ کے آ بیٹھی ہے پارے میں

صدائے لن ترانی سُن کے اے اقبالؔ مَیں چُپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فُرقت کے مارے میں

تیری: مراد خدا تعالیٰ کی۔ آتش: آگ۔ شرارہ: چنگاری۔ جھلک: چمک۔ ہُویدا: ظاہر۔ روانی: مراد پانی کا بہنا۔ اُفتادگی: مراد ایک جگہ پڑے رہنا۔ شریعت: اسلام کے دینی اصول اور مسئلے۔ گریباں گیر: مجرم سمجھ کر پوچھ گچھ کرنے والی۔ ذوقِ تکلم: بات چیت کرنے کا شوق۔ استعارہ: مراد اشارہ کنایہ۔ دل کا مطلب: دل کی بات۔ شجر: درخت۔ حیواں: جانور (ہر قسم کا)۔ پھُونکا ہے: جلایا ہے۔ سوز: تپش، گرمی۔ غضب کی: مراد بہت تیز۔ جنس: مال، سودا۔ خسارہ: نقصان۔ سکوں نا آشنا: آرام/ چین سے ناواقف۔ سامانِ ہستی: زندہ رہنے کا باعث۔ پارا: وہ مائع دھات جو ہر وقت ہلتی رہتی ہے۔ صدا: آواز۔ ”لن ترانی“: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا (طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے یہ فرمایا تھا)۔ تقاضوں: جمع تقاضا، کسی بات پر اصرار کرنا۔ فرقت کا مارا: محبوب سے دُوری کا شکار۔

یُوں تو اے بزمِ جہاں! دلکش تھے ہنگامے ترے
اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی

پا گئی آسودگی کوئے محبت میں وہ خاک
مُدّتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی

کس قدر اے مے! تجھے رسمِ حجاب آئی پسند
پردۂ انگور سے نکلی تو مِیناؤں میں تھی

حُسن کی تاثیر پر غالب نہ آ سکتا تھا علم
اتنی نادانی جہاں کے سارے داناؤں میں تھی

میں نے اے اقبالؔ یورپ میں اُسے ڈھونڈا عبث
بات جو ہندوستاں کے ماہ سیماؤں میں تھی

یوں تو: اگرچہ۔ بزمِ جہاں: دنیا کی محفل، یعنی دنیا۔ دل کش: دل کو بھانے والے۔ ہنگامے: جمع ہنگامہ، رونق، چہل پہل۔ تماشاؤں: جمع تماشا، نظارے۔ آسودگی: آرام سکون۔ کوئے محبت: محبت کا کوچہ / گلی۔ خاک: مراد انسان۔ مُدتوں: ایک عرصہ تک۔ آوارہ: گھومتے پھرنے والی / والا۔ حکمت: عقل، فلسفہ، دانائی۔ رسمِ حجاب: پردے کا طور طریقہ۔ پردۂ انگور: مراد انگور میں۔ مِیناؤں: جمع مینا، شراب کی صراحیاں۔ تاثیر: اثر ہونا۔ علم: مراد عقل و فلسفہ۔ داناؤں: جمع دانا، عقلمند، فلسفی۔ عبث: بیکار، فضول۔ ماہ سیماؤں: چاند کی سی پیشانی والیاں، مراد حسینائیں (سیماؤں جمع سیما)۔

مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

نیا جہاں کوئی اے شمع! ڈھونڈ لیے کہ یہاں
ستم کشِ تپشِ ناتمام کرتے ہیں

بھلی ہے ہم نفسو اِس چمن میں خاموشی
کہ خوشنواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ!
کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا!
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہُوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو!
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبالؔ
بُلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

مثال: طرح، مانند۔ پرتوِ مے: شراب کی چمک۔ طوفِ جام: شراب کے پیالے کے اردگرد چکر کاٹنا۔ کلیم: مراد حضرت موسیٰؑ جن کا خطاب کلیم اللہ ہے۔ حَجَر: پتھر۔ ستم کش: سختی/ ظلم جھیلنے والا۔ تپشِ نا تمام: ادھوری تڑپ/ گرمی۔ بھلی: اچھی۔ ہم نفسو: ساتھیو۔ خوش نواؤں: جمع خوش نوا، دل کش آواز میں چہچہانے والے پرندے پابندِ دام: جال میں گرفتار۔ نشاط: خوشی، مسرت۔ شغل: مشغلہ، تفریح۔ حلال: جس کا کھانا پینا جائز ہو۔ بھلا: خدا جانے۔ نبھنا: ایک دوسرے کے ساتھ موافقت/ اتفاق کرنا۔ رسم محبت عام کرنا: محبت کے طور طریقے سب میں پھیلانا۔ سحر: جادو۔ پیرانِ خرقہ پوش: گدڑی پہننے والے بوڑھے، مراد اللہ والے۔ رام کرنا: مطیع کرنا، مرید بنالینا۔ محفلِ عشرت: عیش و نشاط کی محفل۔ کانپ جاتا ہوں: ڈر جاتا ہوں۔ پھونک کے: جلا کر۔ نام کرنا: شہرت حاصل کرنا۔ ہرے رہو: خدا کرے تروتازہ سرسبز رہو۔ مازنی: یوسف مازنی، اٹلی کا محبِ وطن۔ عمر بھر جمہوری قدروں کو مضبوط کرنے میں مصروف رہا (پیدائش، جنوری ۱۸۰۵ء وفات ۱۸۷۲ء)۔ سلام: مراد احترام بے نماز: نماز نہ پڑھنے والا۔ دیر: مندر، بت کدہ۔ امام: نماز پڑھانے والا۔

مارچ ۱۹۰۷ء

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا

گزر گیا اب وہ دَور ساقی کہ چھُپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان میخانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا خارزار ہوگا

سُنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر اُستوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قُدسیوں سے مَیں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

کِیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیرِ میخانہ سُن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے، خوار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عِیار ہوگا

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

سفینۂ برگِ گُل بنا لے گا قافلہ مُورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

چمن میں لالہ دِکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دِکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھا اے نگاہ تُو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

کہا جو قُمری سے مَیں نے اک دن، یہاں کے آزاد پا بہ گِل ہیں
تو غُنچے کہنے لگے، ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

یہ رسمِ بزمِ فنا ہے اے دل! گناہ ہے جنبشِ نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تُو یہاں بے قرار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفَس مرا شعلہ بار ہوگا

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرار ہوگا

نہ پوچھ اقبالؔ کا ٹھکانا، ابھی وہی کیفیت ہے اُس کی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

بے حجابی: عورتوں کا پردے کے بغیر ہونا۔ دیدارِ یار: محبوب کا سامنے ہونا/نظر آنا۔ سکوت: خاموشی۔ پردہ دار: چھپانے والا۔ راز: بھید۔ آشکار: ظاہر۔ بادہ خوار: شراب پینے والا۔ میخانہ: شراب خانہ۔ آوارہ جنوں: عشقِ حق کی دیوانگی میں جگہ جگہ گھومنے والے صوفیا۔ آبسا: آباد ہونا، آ رہنا۔ برہنہ پائی: ننگے پاؤں ہونا۔ کارزار: کانٹوں کی جگہ، مراد جدوجہد کا مقام۔ گوشِ منتظر: انتظار کرنے والا کان۔ حجاز کی خامشی: مراد اسلام کی زبانِ حال۔ عہد باندھا جانا: قول و قرار ہونا، مراد اسلام قبول کرنے کے موقع پر عربوں سے رحمت نازل ہونے کا وعدہ۔ صحرائیوں: مراد عربوں۔ اُستوار: پکا۔ رُوما: مراد روم کی مشرقی سلطنت قسطنطنیہ، جس کے عیسائی حکمران عباسی خلفا سے ڈرتے تھے۔ اُلٹ دینا: ختم کر دینا، مٹا دینا۔ قدسیوں: جمع قدسی، فرشتے۔ وہ شیر: مراد مسلمان مجاہد۔ تذکرہ: ذکر۔ پیرِ میخانہ: پیر مغاں، شراب خانہ چلانے والا۔ مُنہ پھٹ: صاف صاف بات کر دینے والا۔ دیارِ مغرب: یورپ۔ خدا کی بستی: دنیا۔ زرِ کم عیار: گھٹیا ہونا، مراد یورپ کی تہذیب و معاشرت۔ خودکشی: اپنے ہاتھوں خود کو مار ڈالنا۔ شاخِ نازک: کمزور ٹہنی۔ آشیانہ: گھونسلا۔ ناپائدار: کمزور۔ سفینہ: کشتی۔ برگِ گل: پھول کی پتی۔ مُور ناتواں: کمزور چیونٹی، مراد لگاتار جدوجہد کرنے والا انسان۔ ہزار: مراد کئی ہی۔ کشاکش: کھینچا تانی۔ لالہ: مشہور پھول، غالباً مراد وسطِ قوم۔ داغ: مراد عشق کا زخم۔ دکھاوا: ظاہری بات، ریاکاری۔ دل جلوں: جمع دل جلا، مراد ناکام عاشق۔ نثار ہونا: مراد شامل ہونا۔ کیفیت: حالت۔ قُمری: فاختہ کی قسم کا ایک پرندہ۔ آزاد: مراد سرو کا درخت، قُمری جس پر عاشق ہے۔ پابہ گِل: جس کے پاؤں کیچڑ میں دھنسے ہوں مراد حکومت کا غلام۔ رازدار: بھیدوں سے واقف۔ بنوں: جمع بَن، جنگل، صحرا، بیاباں۔ بندہ: غلام۔ رسم: طور طریقہ۔ بزمِ فنا: مراد دنیا۔ جنبشِ نظر: نگاہ کا ہلنا۔ آبرو: عزت۔ بےقرار: بے چین۔ ظلمتِ شب: رات کا اندھیرا۔ درماندہ کارواں: پیچھے رہا ہوا قافلہ، مراد اس دور کے مسلمان جو ہر طرح سے پست زندگی گزار رہے تھے۔ شرر فشاں: چنگاریاں بکھیرنے والی، مراد اسلام سے محبت کا جذبہ و تپش پیدا کرنے والی۔ آہ: مراد پُر درد شاعری۔ نفس: سانس، مراد کلام۔ شعلہ بار: شعلہ برسانے والا، مراد جذبوں کی آگ تیز کرنے والا۔ غیر از: کے علاوہ۔ نمود: ظاہر ہونے کی حالت۔ مُدعا: مقصد۔ اِک نفس میں: فوراً، بہت جلد۔ مٹنا: ختم ہونا۔ مثالِ شرار: چنگاری کی طرح۔ سرِ رہ گزار: مراد راستے میں۔ ستم کشِ انتظار: انتظار کا ظلم/دکھ اُٹھانے والا۔